کاش میں سیاست میں نہ آتا

کاش میں سیاست میں نہ آتا

خلیل احمد نینی تال والا

کاش میں سیاست میں نہ آتا

خلیل احمد نینی تال والا

تعارف

محترم قارئین

اسلام علیکم

اس سے قبل میری تین کتابیں شگوفہ نو، گردشِ ایام اور حالات وواقعات میرے کالم جو روزنامہ جنگ میں شائع ہوئے تھے ان پر مشتمل تھیں۔ خیال آیا کہ اپنے قارئین کو اپنی سیاست میں آنے سے لے کر جو 1976ء سے شروع ہو کر 1996ء تک یعنی 20 سال کے طویل عرصہ پہ مشتمل ہے سیاست دانوں کے ساتھ کیسے گزاری گوش گزار کردوں اور پھر 2004ء تک یعنی 8 سال تک سماجی کاموں سے جو دلی سکون ملا وہ بھی تحریر میں لے آؤں، ان آٹھ سالوں سے جو سکون اور خوشی مل رہی ہے اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ عنوان "کاش میں سیاست میں نہ آتا" کتاب کی شکل میں حاضر ہے واقعات کے ساتھ ساتھ کافی پرانے فوٹو بھی شامل ہیں ہمیشہ کی طرح ہمدرد پریس کے منیجنگ ڈائریکٹر جناب سلیم مرزا صاحب نے اس کتاب کی خوبصورتی کو چار چاند لگانے کے لئے میرے ساتھ تعاون کیا یہ کتاب میں نے صرف چالیس گھنٹوں پر مشتمل ہوائی سفر کے دوران لکھی پہلے 4 گھنٹے کراچی سے جدہ عمرہ کی پرواز جو میں نے سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی جناب ڈاکٹر ظفر سعید سیفی جو میرے ہمسفر تھے ان کی موجودگی میں ماضی کے واقعات نوٹس کی شکل میں لکھے پھر 36 گھنٹے میں نے کراچی سے امریکہ اور واپسی میں امریکہ سے کراچی کی پرواز کے دوران ان واقعات کو نوٹس سے لے کر کتاب کی شکل میں منتقل کیا اس میں نہ کسی کی دل آزاری مقصود تھی نہ کسی واقعہ کو غیر حقیقی رنگ دینا تھا یہ صرف اور صرف حقیقت پر مبنی جو مجھ پر بیتی وہ میں نے سچائی کے ساتھ تحریر کردی اس کتاب کی آمدنی بھی دارلسکون کشمیر روڈ کراچی کے معذور بچوں کے ادارے کے لیے وقف ہے۔

میری صنعتکاروں تاجروں اور مخیر حضرات سے گزارش ہے کی آپ کی جتنی بھی آمدنی ہے اس میں سے زیادہ سے زیادہ سرمایہ تعلیم عام کرنے پر صرف کریں تا کہ ہمارے ملک سے جتنی جلد ممکن ہو جہالت دور ہو اور جو ادارے معذور بچوں یا کسی بھی فلاحی کاموں میں اپنا وقت صرف کررہے ہیں آپ تحقیق کر کے ان سے تعاون کریں۔

شکریہ

خلیل احمد نینی تال

ملنے کا پتہ

پچ می ہاؤس H / ۳۴ بلاک ۔ ۶ رازی روڈ

پی ۔ ای ۔ سی ۔ ایچ ۔ ایس کراچی

قیمت ۔ ۲۵۰ روپے

خلیل احمد نینی تال والا سیاست میں آنے سے قبل (فوٹو، 1975ء)

خلیل احمد نینی تال والا (فوٹو، 2004ء)

﴿کاش میں سیاست میں نہ آتا﴾

سیاست میں کیسے آیا:

1976 تک میں عملی سیاست سے قطعی دور تھا کیونکہ کاروبار سے اتنی فرصت ہی نہیں تھی، پھر دوست احباب، تاجر اور صنعتکار تھے جو دہلی برادری کا مزاج تھا اور سیاست سے بیزاری بھی اس برادری کا اہم جُز تھا۔ سیاست دانوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا اس طبقہ سے کوئی بھی فرد سیاست میں داخل نہیں ہوا۔ مجھے بیرونِ ملک تجارت کے لئے جانے کا بے حد شوق تھا۔ یورپ امریکہ، خلیج مشرق بعید (FAR EAST) تو سال میں کئی کئی بار جانا ہوتا تھا۔ میرا کاروبار ادویات سازی سے وابستہ تھا۔ اسکول اور کالج کے زمانے میں بھی کبھی اسٹوڈینٹس پالیٹکس (STUDENTS POLITICS) میں حصّہ نہیں لیا تھا۔ حالانکہ گورنر مغربی پاکستان نواب کالا باغ کے دور میں کراچی میں زبردست اسٹوڈینٹس اسٹرائیک رہیں کئی کئی ماہ اسکول اور کالج بند رہتے تھے۔ ایوب خان کے خلاف بھی بہت مظاہرے ہوئے۔ پھر بھی اپنے کام سے کام رکھا یعنی تعلیم کے ساتھ ساتھ والدین کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتا رہا۔

پھر اچانک اسی کاروباری زندگی میں حکومتِ پاکستان نے صحت پالیسی میں بنیادی تبدیلی لانے کے لئے وزارتِ صحت نے ڈرگ ایکٹ 1976 راتوں رات نافذ کر دیا جس کے کرتا دھرتا اُس وقت کے ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ سرجن نصیر اے شیخ تھے، جو مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے معالج بھی تھے اور ذاتی دوست بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ ایوب خان کے آخری دور میں جب بھٹو صاحب معتوب تھے تو اُن کا ہرنیا کا آپریشن بھی سرجن نصیر صاحب نے کیا تھا دیگر ڈاکٹر اور سرجن حضرات حکومت کی ناراضگی مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ اور وہ بھٹو صاحب کے آپریشن سے دور بھاگتے تھے۔ سرجن نصیر صاحب نے اس کی پرواہ کئے بغیر بھٹو صاحب کا آپریشن کر دیا اور غالباً بھٹو صاحب نے اقتدار میں آتے ہی پہلے انہیں اپنا معالج مقرر کیا اور پھر وزارتِ صحت کا اہم ترین عہدہ یعنی ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ مقرر کر دیا۔ اس ڈرگ ایکٹ 1976 کے تحت اب تک پاکستان میں بننے والی ادویات جو سابق وزیرِ صحت شیخ رشید کے دور میں جنرک ایکٹ یعنی عام نام سے دوائیاں بنائی جاتی تھیں۔ وہ ختم کر کے دوبارہ برانڈ نام سے بنانے کا قانون پاس کر کے نافذ العمل

خلیل احمد نینی تال والا (ایم ڈی) چاس اے مینڈوزا، اے سی ساؤتھ شفیق الرحمن پراچہ کا استقبال کر رہے ہیں۔ (دسمبر 1968ء)

کر دیا گیا۔ جنرک نام سے ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنی اجارہ داری کھو چکی تھیں اور بہت سی بند کر کے پاکستان سے چلی بھی گئیں تھیں کیونکہ پاکستانی کمپنیاں سستے داموں ادویات بنا کر تیزی سے ترقی کر رہی تھیں اور تقریباً 60 سے 70 فیصد پر پاکستانی کمپنیاں ہی قابض ہو چکی تھیں۔ غیر ملکی سفارت کاروں نے بھٹو صاحب پر دباؤ ڈالا کہ پھر سے برانڈ نام پر ادویات بنانے کا قانون نافذ کریں سرجن نصیر شیخ نے اس میں اہم کردار ادا کیا۔ اور قانون نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون کی رو سے تین ماہ کے اندر اندر تمام رجسٹرڈ اور لائسنس یافتہ کمپنیاں تو نئے سرے سے لائسنس ڈرگ ایکٹ 1976 کے تحت جاری کروانے تھے اور جو کمپنیاں بناء لائسنس حاصل نہیں کر سکیں تھیں وہ خود بخود 30 ستمبر 1976ء کی رات انکا لائسنس منسوخ ہو جانا تھا۔ اس میں تمام پاکستانی کمپنیاں زد میں آرہی تھیں۔ اُس زمانے میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ترجمان پاکستان فارماسیوٹیکل مینوفیکچرز ایسوسی ایشن تھی جن کے صرف 32 ممبران تھے۔ اس کے برعکس پاکستانی دواساز اداروں کی تعداد 250 سے زیادہ تھی ان کی نمائندگی نیشنل فارماسیوٹیکل مینوفیکچرز آرگنائزیشن تھی جس کا میں جنرل سیکریٹری تھا۔ چنانچہ ایک نمائندہ وفد جس میں تمام شہروں کے دواساز نمائندے شامل تھے۔ ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ سرجن نصیر شیخ سے ملنے اسلام آباد وزارتِ صحت کے دفتر میں پہنچا۔ اور انکو اس بات سے آگاہ کیا کہ غیر ملکی دواساز ادارے ماضی میں مہنگی دوائیں فروخت کر کے لوٹ مار کرتے رہے ہیں جن کی لگام ہم پاکستانی دواساز اداروں نے اب روک کر اُن کی جگہ لے لی ہے۔ اگرچہ ہمارے ادارے چھوٹے ہیں اور بہت سے رہائشی علاقوں میں بھی ہیں، لہٰذا لائسنس کی تجدید کے لئے ان اداروں کو کم از کم تین سال دیئے جائیں تاکہ وہ اپنی اپنی فیکٹریاں صنعتی علاقوں میں منتقل کر سکیں اور مزید جدید ساز و سامان سے آراستہ کر سکیں۔

بظاہر سرجن صاحب نے تسلیاں دیں کہ وہ مقامی کمپنیوں کا ساتھ دینگے اور غیر ملکی کمپنیوں کی لوٹ مار کا حساب کتاب بھی کریں گے۔ اگلے ہفتے انہوں نے ان غیر ملکی کمپنیوں کے ڈائریکٹروں کو بلا کر، جو جو معلومات ہم نے انہیں پہنچائیں تھیں خوب بڑھا چڑھا کر ڈرایا اور کہا کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کو نئے لائسنس نہیں دیئے جا سکتے۔ جب تک اُن کی قیمتیں مقامی کمپنیوں کے برابر نہ ہوں۔

یہ ڈائریکٹران ڈر گئے انہوں نے میٹنگ کی اور دوبارہ ملاقات کی تو ان سب کے لائسنس جاری ہو گئے اُس کی انہوں نے کتنی قیمت مل کر ادا کی وہ اُس زمانے کی مہنگی ترین رشوت میں شمار ہوتی تھی جو بعد میں ضیاء الحق کے دور میں اس کی انکوائری بھی ہوئی تھی اور سرجن صاحب ایک سال تک جیل بھی رہے تھے۔

تمام غیر ملکی دواساز اداروں کو لائسنس ملا اور سب سے پہلا لائسنس اُن کے بھائی کی کمپنی ایبٹ لیبارٹری پاکستان لمیٹیڈ کو جاری ہوا جو آج تک اُن کی ادویات میں پڑھا جا سکتا ہے۔ یعنی لائسنس نمبر 001 تھا۔ صرف پانچ پاکستانی کمپنیوں کو لائسنس جاری کیا گیا۔ اتفاق سے انہی دنوں میری فیکٹری میں الیکٹرک شارٹ سرکٹ سے آگ لگ گئی جس میں چند مزدور اور خواتین متاثر ہوئیں۔ میں نے سرکاری ہسپتال کے بجائے عباسی شہید ہسپتال سے اپنی جیب سے علاج کروایا تا کہ اچھا علاج ہو سکے۔ یہ نیا نیا ہسپتال تھا جو بلدیہ کے زیرِ نگرانی بنا تھا۔ پولیس نے فیکٹری کا معائنہ کیا اور حادثہ قرار دے کر کوئی کاروائی نہیں کی۔

ہمارے وفد نے دوبارہ ملاقات کی پہلے تو سرجن صاحب نے ملنے سے صاف انکار کر دیا مگر چونکہ ہمارے وفد میں پچاس دواساز ادارے پورے ملک سے آئے ہوئے تھے انہوں نے دفتر کے باہر شور مچایا تو مجبوراً ملاقات کرنی پڑی۔ مگر انہوں نے لائسنس کے معاملے میں کسی بھی قسم کی رعایت دینے سے انکار کر دیا۔ میں نے بحیثیت سیکرٹری اُن کو لائسنس جاری نہ ہونے سے بیروزگاری اور حکومت کے خلاف نفرت کا خدشہ پیش کیا۔ ساتھ ساتھ مقامی دواساز اداروں کا کروڑوں روپے کا سرمایہ ڈوبنے کے خطرہ سے آگاہ کیا۔ مگر وہ بظاہر ٹس سے مس نہیں ہوئے اور تیس ستمبر کی رات 10:00 بجے چند دواساز اداروں پر جبکہ ابھی دو گھنٹے باقی تھے پولیس سے چھاپہ پڑوایا جس میں میری دواساز کمپنی چاس ۔اے ۔ مینڈوزا شامل تھی۔ ہمارے کارکن جو صرف صفائی ستھرائی کر رہے تھے کیونکہ خاتون ورکرز تو شام 6 بجے جا چکی تھیں ، گرفتار کر کے چھاپے کا وقت تبدیل کر کے بارہ بجکر پندرہ منٹ دکھا دیا گیا۔ دوسرے دن تمام مالکان کی گرفتاری کے لئے پولیس دستے تشکیل دیئے گئے تا کہ خوف و ہراس پھیلا کر اس واقعہ کو دبا دیا جائے۔ میں نے ضمانت قبل از گرفتاری لے لی کیونکہ جج صاحب نے اتفاق کیا کہ صرف پندرہ منٹ کے فرق سے آسمان نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی کوئی پیکنگ ورکر یا کیمسٹ جو دواسازی کے لئے ہونا ضروری تھا کوئی بھی فیکٹری میں موجود نہیں تھا۔ جبکہ تھانے سے روانگی رات 9 بجے دکھائی گئی تھی۔ اور تھانہ میری فیکٹری سے صرف پانچ منٹ کے فاصلے پر تھا۔ بلکہ جج صاحب نے پولیس اور وزارت صحت کے افسران کو بھی کافی کھری کھری سنائیں ۔ اور مقدمہ دوسری پیشی پر خارج کر دیا، جب سرجن نصیر شیخ کو معلوم ہوا تو انہوں نے وزارت صحت کے تمام ڈرگ انسپیکٹر صاحبان کو میری کمپنی کے پیچھے لگا دیا۔

بہت سارے سیمپل اٹھا کر راتوں رات فیل کر وادیئے اور پندرہ بیس مقدمات بھی بنوادیئے اتنی بڑی تعداد میں فیکٹریوں کے بند ہونے سے کراچی میں ایک احتجاجی جلسہ ہوا۔ حکومت کے خلاف نعرے لگے وزارت صحت کے خلاف بھی نعرے لگے۔ پھر کیا تھا سرجن نصیر شیخ کو موقع مل گیا۔ میرے خلاف ڈی پی آر کا مقدمہ بنا دیا گیا۔ کیونکہ میری دو مرتبہ میٹنگ میں تلخ کلامی بھی ہوئی تھی انہوں نے مجھے دھمکیاں بھی دیں تھیں ،ظاہر ہے کہ جب 250 فیکٹریاں بند ہونگی تو اُس کا ردّ عمل تو ہونا ہی تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر ہمارے دواساز ادارے علیحدہ علیحدہ درمیانی ایجنٹوں کے ذریعہ جو وزارتِ صحت کے ڈائریکٹر جنرل کے لئے کام کر رہے تھے آہستہ آہستہ لائسنس حاصل کرتے رہے۔ پھر بھی احتجاج کی تحریک کم نہیں ہوئی اخبارات میں حکومت کے خلاف اور سرجن نصیر شیخ کے خلاف خبریں لگیں اس پر وزارتِ صحت میرے پیچھے پڑ گئی۔ کراچی پولیس نے میرے دفتر کو گھیرے میں لیکر مجھے ڈیفینس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر کے ایک رات تھانے میں رکھا پھر دوسرے دن صبح ہی صبح سینٹرل جیل پہنچا دیا۔ مجھ جیسا گم نام صنعتکار اتنی بڑی نفری میں گرفتاری سے صنعتکار سے لیڈر بن گیا۔ گرفتاری سے لیکر ڈرامائی واقعات جیل تک کی کہانی کیسے پہلی رات پھر دوسری رات جیلر کی طاقت + ظہور الٰہی + صلاح الدّین جماعت اسلامی کے افراد ، ایک اخبار نے تو لیڈ ہی میری فنکاری کی لگائی۔ دیگر اخبارات نے بھی گرفتاری کو نمایاں جگہ دی جیل میں اتفاق سے بی کلاس بھی مل گئی ان دنوں بھٹو صاحب کے خلاف حذبِ اختلاف بھی جیل میں بند تھی۔ جن میں چودھری ظہور الٰہی مرحوم جماعت اسلامی کی قیادت، جسارت کے ایڈیٹر صلاح الدین مرحوم وغیرہ سے ملاقات ہوئی روزآنہ شام کو محفل ہوتی تھی تمام بی کلاس میں سیاسی قیدی تھے۔ پہلے تو میری سمجھ میں سیاست نہیں آتی تھی خاموشی سے سنتا رہتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ میں نے بھی لقمے دینے شروع کئے پھر بھٹو صاحب نے قبل از وقت الیکشن شیڈول کا اعلان کر دیا پھر کیا تھا تمام سیاسی مخالفین ایک ہی نقطہ پر متفق ہو گئے کہ کسی طرح بھٹو صاحب کو اقتدار سے محروم کر دیا جائے۔ جلسے جلوس ہونے لگے، پی این اے (پاکستان نیشنل الائینس) وجود میں آ گئی۔

لیفٹ ورائٹ کی سیاست سمٹ کر صرف بھٹو صاحب کے خلاف میدان میں آ گئی۔ جلسے جلوسوں میں شدت آتی گئی۔ فضاء بھٹو صاحب کے خلاف ہموار ہوتی گئی تمام سیاست دان ایک طرف اور پیپلز پارٹی دوسری طرف محاذ آرائی ہوتی گئی۔ 90 دن کے بعد مجھے رہائی ملی۔ جیل میں سیاست کا سبق کام آیا ۔ جس دن مجھے رہائی ملی دوسرے دن اصغر خان کی قیادت میں پی این اے کا جلوس کراچی میں نکالا گیا۔ میری رہائش شہیدِ ملّت روڈ پر تھی ٹریفک بند تھی پیدل شاہراہ فیصل پہنچا ابھی جلوس ائرپورٹ پر تھا کہ شاہراہ فیصل پر عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھ کر اشتیاق ہوا کہ چلو آج اصغر خان کو بھی دیکھ لیں۔

گھنٹوں بعد اصغر خان صاحب، پروفیسر غفور صاحب اور دیگر لیڈر صاحبان ٹرک پر سوار عوام کے درمیان سے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گزر رہے تھے، رات برنس روڈ کا جلسہ بھی سنا اصغر خان صاحب کی تقریر بہت پسند آئی۔ سوچا تحریکِ استقلال جوائن کر لیں۔ چند دوستوں سے مشورہ کیا، گھر والوں سے بھی مشورہ کیا سب نے ڈرایا کہ ابھی تو جیل سے رہا ہوئے ہو کل پھر جیل جانے کا ارادہ ہے۔ کسی نے ساتھ نہیں دیا، وقت گزرتا گیا الیکشن ہو گئے حذبِ اختلاف ہار گئی پیپلز پارٹی جیت گئی۔ عوام کا فیصلہ پی پی پی کی جیت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ صوبائی الیکشن کے بائیکاٹ نے حذب اختلاف کے دعوے کو صحیح ثابت کیا 10 فیصد بھی لوگ ووٹ ڈالنے نہیں نکلے، محاذ آرائی پھر شروع ہوئی بھٹو صاحب دوبارہ الیکشن کروانے پر بہت دیر بعد راضی ہوئے ابھی ڈرافٹ فائنل ہو ہی رہا تھا کہ پھر مارشل لاء لگ گیا۔ ضیاء الحق نے اقتدار سیاست دانوں اور بھٹو صاحب دونوں سے چھین لیا۔ ملک میں سکون ہو گیا کیونکہ ضیاء الحق نے 90 دن میں منصفانہ اور آزادانہ الیکشن کروانے کا وعدہ کر لیا تھا۔ جو بعد میں فریب ثابت ہوا۔

تحریکِ استقلال میں شمولیت:

اس دوران میں نے اپنے چند ساتھیوں سمیت تحریک استقلال میں شمولیت اختیار کر لی، اپنی رہائش گاہ پر اصغر خان کے اعزاز میں پارٹی دی جس میں میاں خورشید قصوری، نواب اکبر بگٹی، ایڈمرل مظفر حسین، مشیر پیش امام اعجاز محمود کے علاوہ کئی سو کارکن شامل تھے۔ اخبارات میں اس شمولیت کو بھر پور کوریج ملی۔ اگرچہ میرے دوست اور اہلِ خانہ اس فیصلہ سے خوش نہیں تھے، مصلحتاً خاموش تھے۔ میرے پارٹی میں آنے سے کافی دوست خوش بھی تھے۔ اتفاق سے تحریکِ استقلال میں پارٹی الیکشن بھی اس سال ہوئے جب میں نے الیکشن میں حصّہ لیا اور 60 سالہ بزرگ سیاسی رہنما خلیل ترمذی کو ہرا کر سب سے زیادہ ووٹ حاصل کئے اور سینئر نائب صدر منتخب ہو گیا۔ میرے پینل میں جنرل سیکریٹری کے لئے عبدالحمید چھاپڑا بڑے اُمید وار تھے اور جیل میں تھے ورکروں نے اُن کو جیل سے جتوایا تمام کا تمام پینل نیا تھا وہ کامیاب ہو گیا تحریکِ استقلال میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہی جب الیکشن ہوتے ایک گروپ ہار جاتا اور جس کو اصغر خان چاہتے وہی گروپ جیتتا یا پھر راتوں رات اصغر خان خود ڈویژن کو توڑ کر نیا گروپ بنا دیتے۔

خلیل احمد نینی تال والا (آخری میں) تحریکِ استقلال میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں، ائر مارشل اصغر خان، خورشید قصوری، ایڈمرل مظفر حسین بھی موجود ہیں۔ (دسمبر 1978ء)

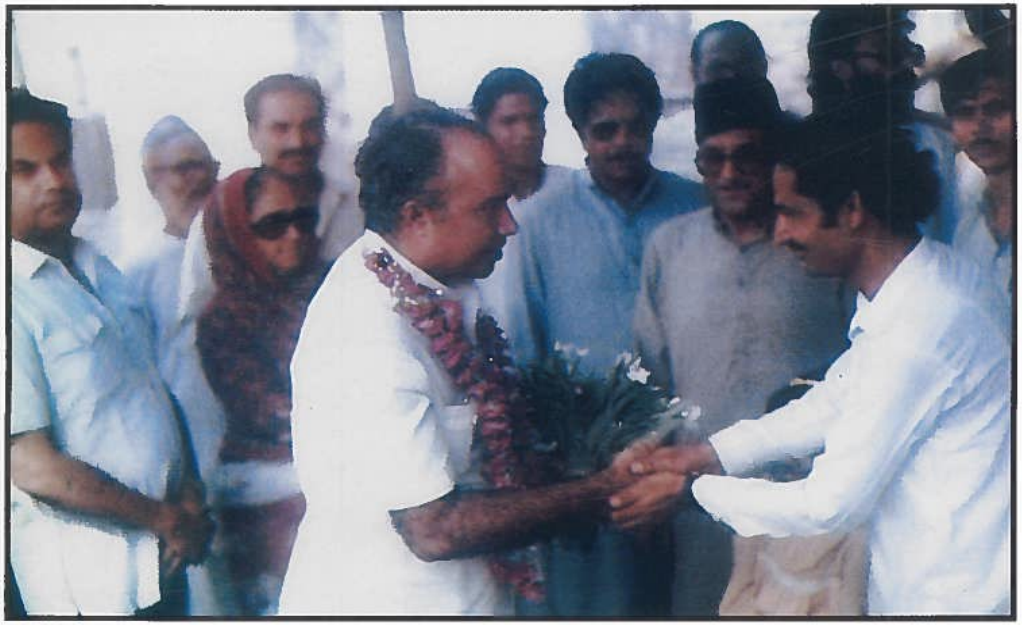

تحریکِ استقلال دورۂ حیدر آباد کے موقع پر خلیل احمد نینی تال والا کا استقبال کیا جا رہا ہے۔

اعجاز محمود گئے ایڈمرل مظفر آ گئے۔ پھر ایڈ مرل مظفر گئے عبیدالرحمن ایڈووکیٹ آ گئے۔ مجھے صوبائی ٹکٹ نہیں دیا میری جگہ ایک نئے رکن مصباح الاسلام کو ٹکٹ دیا گیا۔ کراچی ڈویژن میں بغاوت ہوگئی کارکنوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کی دھمکی دی جس پر اصغر خان نے فیصلہ واپس لیکر مجھے فیڈرل بی ایریا سے صوبائی ٹکٹ دے دیا۔ الیکشن شیدول جو ضیاء الحق صاحب نے دیا تھا آخری دن ملتوی کر دیا گیا ، الیکشن ملتوی ہوگئے احتساب کا عمل شروع کر دیا گیا۔ اصغر خان پی این اے سے باہر آ گئے کیونکہ دورۂ ایران کے بعد سے وہ سولو پرواز کے حق میں تھے۔ دوسری طرف پی این اے کے جلوس کو اپنا جلوس بتاتے تھے۔ دراصل ضیاء الحق نے خود اُن کو یہ باور کرایا تھا کہ آپ پی این اے ہیں۔ باقی سب ہیر پھیر ہے۔ کارکنوں اور عہدیداروں تک کو اصغر خان نے اعتماد میں نہیں لیا۔ چند ماہ آرام سے گزرے پھر اصغر خان نے ضیاء الحق کو جھوٹا قرار دے دیا عوام کو دوبارہ سڑکوں پر لانے کے پروگرام شروع ہوگئے۔

ضیاء الحق نے اصغر خان کو گرفتار کروا کے انکے بنگلے میں نظر بند کر دیا۔ تحریکِ استقلال میں پھر الیکشن ہوئے میں کراچی ڈویژن کا چیئر مین منتخب ہو گیا۔ اور احمد میاں سومرو مرحوم (محمد میاں سومرو کے والد) سندھ کے صدر منتخب ہو گئے۔ این کے جتوئی فارغ کر دیئے گئے۔ یہ پارٹی میں پارٹی بازی اوپر والوں کے تعاون سے ہر سال الیکشن کے اختتام پر کھیلی جاتی تھی۔ یعنی میوزیکل چیئر والا کھیل اصغر خان سے ہاں میں ہاں ملانے والوں میں بہت مرغوب تھا۔ میں اور میرے ساتھی پہلے ہی دن سے متحد تھے اُنہیں کوئی نہیں توڑ سکا تھا۔ اصغر خان نظر بند تھے انہوں نے اپنے صاحبزادے عمر اصغر خان کو جو سرکاری ملازمت سے نکالے گئے تھے، پارٹی میں نوجوانوں کا شعبہ سیاست متعارف کرایا اور عمر اصغر خان کو اُسکا سربراہ بنادیا۔ جو بائیں پارٹی کی سیاست کے قائل تھے۔ انہوں نے پارٹی میں توڑ پھوڑ شروع کر دی۔

LEFT کے نام نہاد لیڈر پارٹی میں بھرتی کر لئے جنہوں نے پرانے کارکنوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ پارٹی کا منشور تبدیل کر دیا۔ جھنڈے کا رنگ سبز سے سرخ کر دیا۔ جے اے رحیم کو قائم مقام چیئر مین بنا کر پرانے عہدیدار ہٹانے شروع کر دیئے بیریسٹر جمیل اور شاہدہ جمیل کو کراچی کا چیئر مین بنانے کی تیاری شروع کر دی۔ ایم آر ڈی کی تحریک میں شامل تمام کارکنوں کو گرفتاریاں دینی تھی۔ اصغر خان نے مجھے کارکنوں کی گرفتاری کی صورت میں اُن کی کفالت کی ذمہ داری سونپی اور مجھے گرفتاری دینے سے منع کر دیا۔ مگر جے اے رحیم نے زبردستی مجھے گرفتاری دینے کے لئے کہا مگر میں نے انکار کر دیا۔ مجھے پارٹی سے نکال دیا گیا۔

خلیل احمد نینی تال والا حیدر آباد دفتر کا افتتاح کر رہے ہیں۔(1983ء)

خلیل احمد نینی تال والا کو حیدر آباد میں اجرک پیش کی جا رہی ہے۔(1983ء)

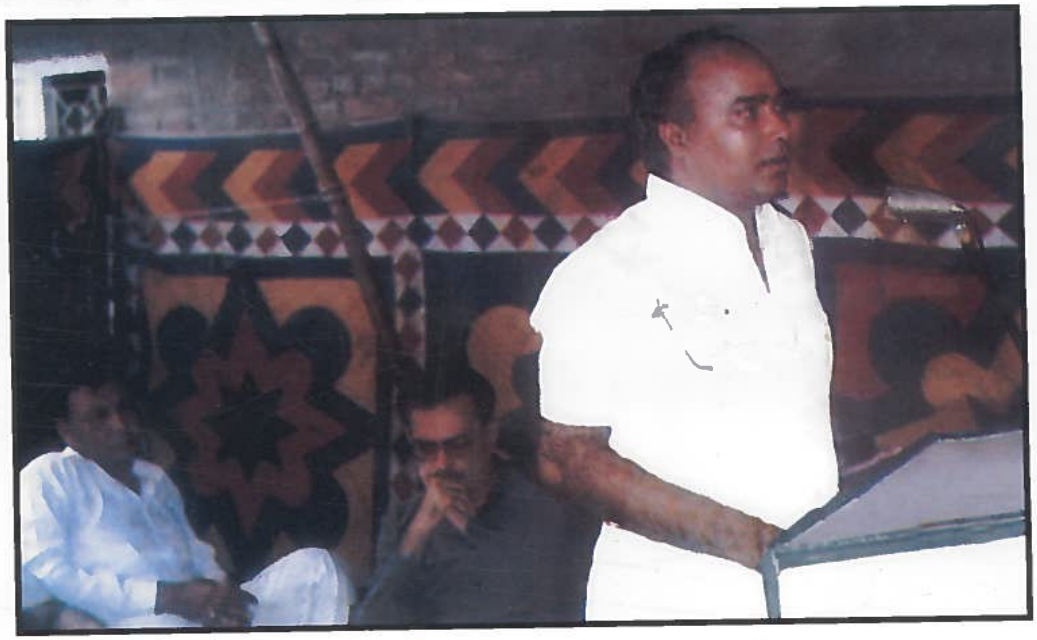

حیدرآباد کے جلسہ سے خلیل احمد نینی تال والاؔ خطاب کر رہے ہیں۔

خالق جی خان کی فاتحہ خوانی میں شریک خلیل احمد نینی تال والاؔ، بیگم خالق جی خان، ڈاکٹر رحیم الحق، بیگم رحیم الحق، صاحبزادہ منیر نمایاں ہیں۔

خلیل احمد نینی تال والاؔ کا حیدرآباد کے دورے میں لیا گیا معززین کے ساتھ ایک گروپ فوٹو۔ (1984ء)

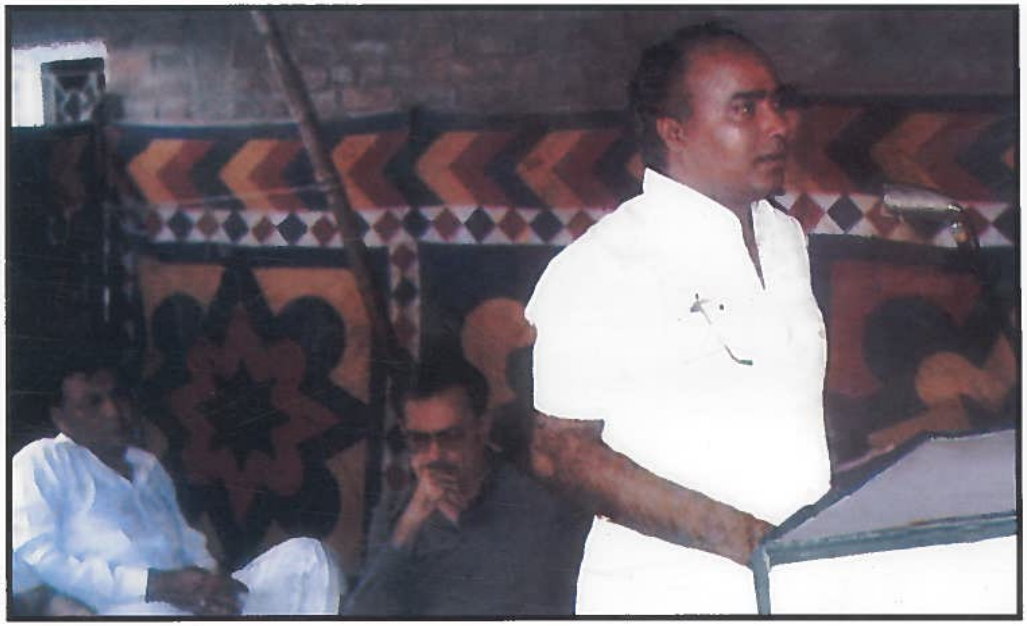

حیدرآباد کے جلسہ سے خلیل احمد نینی تال والاؔ خطاب کررہے ہیں۔

خالق جی خان کی فاتحہ خوانی میں شریک خلیل احمد نینی تال والاؔ، بیگم خالق جی خان، ڈاکٹر رحیم الحق، بیگم رحیم الحق، صاحبزادہ منیر نمایاں ہیں۔

خلیل احمد نینی تال والاؔ کا حیدرآباد کے دورے میں لیا گیا معززین کے ساتھ ایک گروپ فوٹو۔ (1984ء)

خلیل احمد نینی تال والاؔ ڈاکٹر رحیم الحق، صاحبزادہ منیر، ڈاکٹر شمیم زین الدین کے ہمراہ۔ (1984ء)

اصغر خان کراچی تشتر پارک میں خطاب کر رہے ہیں۔ خلیل احمد نینی تال والا، ڈاکٹر رحیم الحق، نثار احمد کھوڑو، خان محمد جمالی نمایاں ہیں۔ (1985ء)

میں نے قائم مقام صدر سندھ صاحبزادہ منیر کو اصغر خان کا لکھا ہوا خط دکھایا انہوں نے مجھے بحال کر دیا۔ جے اے رحیم نے صاحبزادہ منیر کو بھی پارٹی سے نکال دیا چیئر مین سندھ احمد میاں سومرو نے دونوں کو بحال کر دیا۔ جے اے رحیم نے استعفی دے دیا اور پارٹی چھوڑ دی تمام پرانے کارکنوں نے سکون کا سانس لیا۔ LEFT کے نام نہاد کارکن جے اے رحیم کے جانے کے بعد یکے بعد دیگرے جانے لگے۔ عمر اصغر خان نے کافی کوششیں کی مگر مجھے نہیں نکال سکے۔

تمام پارٹیوں نے کراچی میں جلسہ کیا تشتر پارک میں جلسے ہوئے میری صدارت میں بھی جلسہ ہوا اصغر خان نے اتنے بڑے جلسے سے متاثر ہو کر مجھے شاباشی دی مگر دوسرے دن اُن کے صاحبزادے اور دیگر بچے کچے LEFT والوں نے اُن کے کان بھرے دوسرے دن ایک لاکھ روپے نقد بھی میرے دوستوں نے پیش کئے ایک ہاتھ سے وہ ایک لاکھ روپے کا بریف کیس اپنے صاحبزادے کو دیا اور جاتے وقت کراچی ڈویژن کے خلاف انضباطی کاروائی کا عندیہ بھی دیا جسے میرے کارکنوں نے بُرا مانا کہ ہم نے جلسہ کیا اپنے پیسے سے، کسی بھی LEFT یا عمر اصغر خان نے کوئی تعاون نہیں کیا۔ پھر بھی ہمارے خلاف سازش کی گئی، خدائے نور کو اس کا سربراہ بنا کر انکوائری شروع کردی گئی کہ تحریکِ استقلال کراچی میں کیوں مقبول نہیں ہو رہی ہے۔ حالانکہ آئے دن پارٹی سے کارکنوں کو نکالنا اصغر خان کی Hobby بن چکی تھی۔ اتنے بڑے بڑے نام اس پارٹی سے منسوب ہیں کہ شاید ہی کوئی بڑا لیڈر ہو جو اس پارٹی میں شامل نہ ہوا ہو۔ اعتزاز احسن، اکبر بگٹی، میاں محمود علی قصوری، ملک حامد سرفراز، میاں نواز شریف، منظور وٹو، خلیل ترمذی، حافظ فصیح الدین وردگ، مشیر احمد پیش امام، منیر احمد شاہ، محمد میاں سومرو، ایڈمرل مظفر حسن، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، این کے جتوئی ڈاکٹر سعیدہ ملک، صاحبزادہ منیر، ڈاکٹر رحیم الحق، جے اے رحیم، میاں خورشید قصوری، امداد علی چانڈیو، نثار احمد کھوڑو، ضیاء اصفہانی، ملک وزیر علی، مخدوم رکن الدین، منہاز رفیع نفیس صدیقی، میاں عمر قصوری، اعجاز محمود، احمد دارا، رحمت خان وردگ، چودھری افضال، ملک محمد اختر، احمد رضا قصوری، خالق جی خان، فصیح الحسن، میرے غریب خانے پر تقریباً ہر ماہ تحریکِ استقلال کا جلسہ ہوتا تھا۔ جس میں پارٹی عہدیداران سمیت چھ سات سو افراد کا طعام کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ ان جلسوں اور دعوتوں میں دیگر پارٹی کے عہدیداران اور سرکردہ رہنماؤں میں مرحوم شاہ احمد نورانی، پروفیسر شاہ فرید الحق، غلام مصطفیٰ جتوئی، نصراللہ خان، شیر باز مزاری، پروفیسر غفور احمد، غوث بخش بزنجو، مشتاق مرزا، پروفیسر این ڈی خان، نصرت مرزا شریک ہوتے تھے۔ پارٹی میں بار بار تبدیلیوں سے کارکن بے زار ہو گئے تھے۔

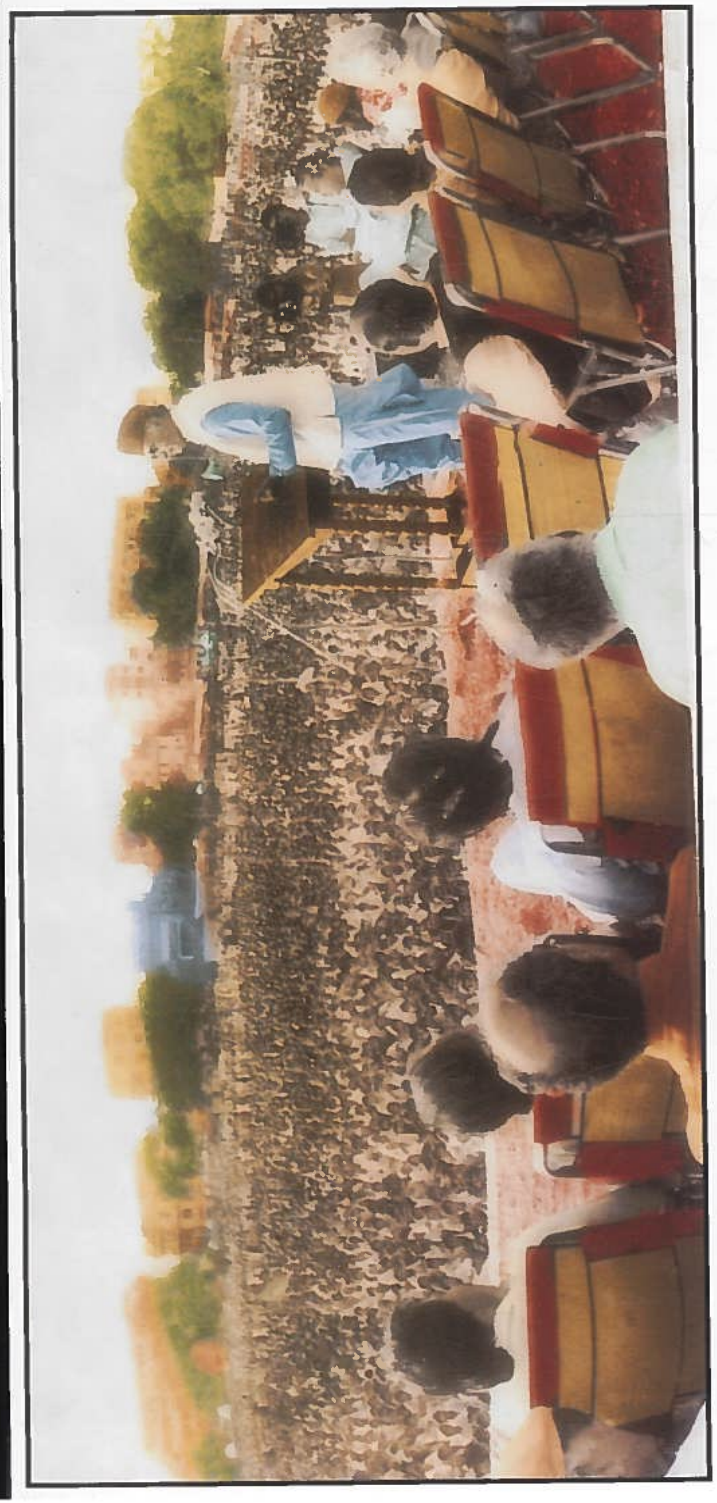

ایک سال پہلے یہی ڈرامہ پشاور میں دوہرایا گیا تھا۔ منیر شاہ صدر سرحد کے گھر پر پارٹی کے الیکشن ہوئے اصغر خان جیل میں تھے، پیغام دیا کہ نئی قیادت آنی چاہئے۔ پیش امام گروپ کو ہرا کر وردگ گروپ کو آگے لایا گیا۔ کارکنوں نے نعرے بازی پھر شروع کردی، دوبارہ آدھے آدھے افراد کو Adjust کر کے الیکشن کا پیٹ بھرا گیا۔ سیکریڑی انفارمیشن ایسی خاتون کو بنایا گیا جن کو اردو بھی پڑھنی نہیں آتی تھی اُن کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا۔ بھلا اردو اخبارات میں تحریکِ استقلال کے بارے میں کیا چھپا؟ کون پڑھ کر سنائے گا۔ مجلس عامہ میں 40 فیصد تو اصغر خان خود نام تجویز کرتے تھے اور بقایا 60 فیصد خوشامدیوں کا ٹولہ نامزد ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تحریک استقلال میں نہ تحریک باقی تھی نہ استقلال صحیح وقت پر غلط فیصلے ہوتے تھے۔ کبھی اقتدار ہمارے پاس سے گزرتا تھا کبھی ہم اقتدار کے پاس سے خالی ہاتھ گزر جاتے تھے۔

پہلے اصغر خان کو اتحاد بنانے کی جلدی ہوتی تھی ابھی کامیابی ہمارے نزدیک پہنچ ہی رہی ہوتی تھی تو انکو اتحاد سے باہر جانے کی جلدی ہوتی تھی۔ PNA سے لیکر ایم آر ڈی PDA اور نہ جانے کتنے اتحاد ہم نے بنائے اور توڑے اسی توڑ جور سے تنگ آکر میں نے اور میرے جاں نثار کارکنوں نے اجتماعی استعفوں کا اعلان کر دیا۔ کراچی ڈویژن مع اپنے تینوں اضلاع سے تحریک استقلال سے کنارہ کش ہوگئی، 1986ء میں تحریکِ استقلال جو کراچی میں ہی نہیں پورے ملک کی پارٹی تھی ختم ہو کر ایبٹ آباد سے نکل کر ایبٹ آباد میں ہی ختم ہوگئی۔ آج اُس کا خود سربراہ بھی تحریک استقلال سے الگ ہو گیا۔ کیونکہ خود انکے کارکنوں نے اپنے قائد کو پارٹی سے نکال کر تمام نکلے ہوئے کارکنوں کا بدلہ لے لیا۔ اب ہم سب کارکنوں نے بیٹھ کر سوچ بچار کرنی شروع کر دی کہ آئندہ ہمارا کیا سیاسی لائحہ عمل ہو گا، کیونکہ سیاسی کارکن خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔ ایک مرتبہ سیاست کا مزہ کسی کو لگ جائے تو وہ قبر تک جاتا ہے اس میں کوئی شک نہیں اگر اصغر خان تحریکِ استقلال کو سیاسی طریقہ سے چلاتے تو یہ پارٹی ملک کی سب سے بڑی پارٹی بن سکتی تھی۔

مگر افسوس اصغر خان صاحب میں مستقل مزاجی نہیں تھی۔ وہ جلد بازی میں فیصلہ کرنے کے عادی تھے۔ کان کے کچے تھے، اپنے خلاف کوئی بھی جملہ برداشت نہیں کرتے تھے۔ خوشامدی اُن کو بہت پسند تھے، اکثریت سینٹرل ورکنگ کمیٹی میں ان سے بھری ہوتی تھی اگر کوئی بھی ان سے زیادہ اختلاف کرتا تو جھڑک بھی دیتے تھے۔ اور منہ بگاڑ لیتے تھے۔ اُن کی پارٹی میں بے غرض کارکنوں کی تعداد دوسری پارٹیوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ تھی۔ کارکن اپنا وقت اور پیسہ بغیر کسی لالچ کے پیش پیش رکھتے تھے۔ جہاں بھی تحریک استقلال کا جلسہ ہوتا تھا خود اپنے پیسے خرچ کر کے پہنچتے تھے، مگر جب سے انکے صاحبزادے تحریک استقلال میں لائے گئے مخلص کارکنوں

جنگ پینل کے انٹرویو میں خلیل احمد نینی تال والا، محمود شام، یونس ریاض اور اصغر خان نمایاں ہیں۔ (1985ء)

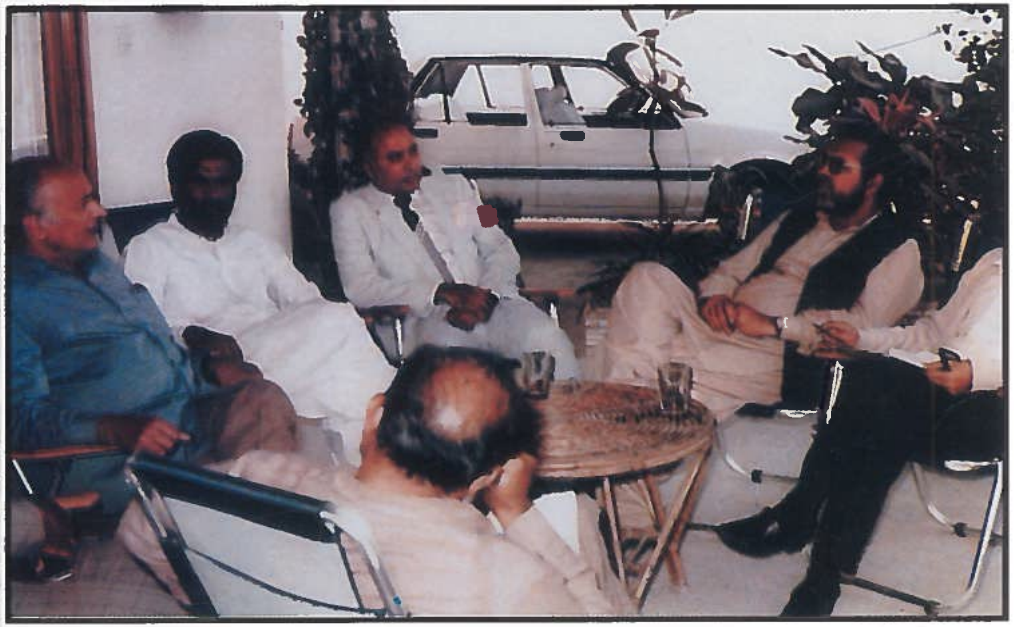

اصغر خان اخباری نمائندوں سے بات چیت کر رہے ہیں اور خلیل احمد نینی تال والا، خان محمد جمالی نمایاں ہیں۔ (1985ء)

کو دیوار سے لگانے کا کام شروع کر دیا گیا۔ اصغر خان کارکنوں سے دور ہوتے گئے اور صرف اپنے صاحبزادے کی بات مانتے تھے۔ جس سے عہدیدار بھی متاثر ہوتے گئے۔ کئی نامور شخصیتوں کو پارٹی سے نکال دیا گیا اور ذلیل کرنے کے لئے اُن کے صاحبزادے اور اُنکے ہواری اخبارات کو باقاعدہ نکالنے کا پریس ریلیز جاری کرتے تھے۔ اس سے بھی پارٹی کافی متاثر ہوتی تھی۔ سینٹرل ورکنگ کمیٹی میں خوشامدیوں کی بھرمار کی وجہ سے صاحبِ بصیرت زیادہ تر خاموش رہتے تھے کیونکہ ووٹنگ کے وقت ان کی سبکی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سینٹرل ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا اس میں یہ فیصلہ ہونا تھا کہ ہم ایم آر ڈی میں رہیں یا نہ رہیں بار بار اتحاد سے نکلنا یقیناً کارکنوں کے لئے نقصان دہ ہوتا تھا۔ ایک بہت پرانے تحریکی بزرگ جن کا تعلق اندرون سندھ سے تھا جب ان کی رائے کا وقت آیا تو انہوں نے فرمایا جناب خان صاحب آپ نے آج تک جو بھی فیصلے کئے وہ درست تھے اور آئندہ بھی جو آپ فیصلہ فرمائیں گے وہ درست ہوگا۔ حالانکہ اکثریت ایم آر ڈی سے نکلنے کے خلاف تھی جبکہ اصغر خان صاحب ایم آر ڈی سے نکلنے پر تلے ہوئے تھے۔ جب کوئی ایم آر ڈی سے نکلنے کی بات کرتا تو وہ بہت خوش ہوتے اور اثبات میں کردن ہلاتے مگر جو یہ رائے دیتا کہ ایم آر ڈی سے باہر نکلنے پر ہم پر اتحاد توڑنے کا پھر الزام لگے گا تو وہ منہ بنا لیتے اور کہتے اس سے ہماری پارٹی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دلائل کے دوران اکثریت نے ایم آر ڈی میں رہنے کی بات کی تھی مگر جب ووٹنگ کا وقت آیا تو لوگ حیران ہو گئے کہ اکثریت ایم آر ڈی سے نکلنے والوں کی تھی یہ سیاسی غلط فیصلہ بھی پی این اے سے نکلنے کے وقت ہوا تھا دوبارہ اس کو دوہرایا گیا۔ اب ہم کسی بھی سیاسی جماعت کے کارکنوں سے آنکھ نہیں ملا سکتے تھے، وہ ہمارا اور ہمارے قائد کے فیصلوں کا مذاق اڑاتے تھے کہ تحریک استقلال میں سیاست نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ حالانکہ بڑے بڑے سیاسی ذہن والے اشخاص اس جماعت میں شامل تھے جو یا تو نکال دیئے گئے یا پھر وہ خاموشی سے کنارہ کش ہوگئے اور بہت سے افراد ایسے بھی تھے جنہوں نے سیاست کو ہی خیرباد کہہ دیا کیونکہ وہ کسی اور پارٹی میں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتے تھے۔

تحریک استقلال کا مزاج دیگر سیاسی جماعتوں سے بالکل مختلف تھا۔ یاد آیا اسی سینٹرل ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں ایم آر ڈی سے نکلنے یا نہ نکلنے پر ایک لطیفہ پشاور کے میرے دوست منیر شاہ صاحب نے سنایا کہنے لگے کہ ہمارے پشاور شہر میں کھالوں کی ٹوپیاں بنتی ہیں ایک شخص بہت عمدہ بھیڑ کی کھال بیچنے بازار میں گیا تو تین ٹھگ اس کھال کو خریدنا چاہتے تھے اور پورے پیسے بھی نہیں دینا چاہتے تھے۔ لہٰذا تینوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ اس دیہاتی کو بیوقوف بنا کر اس سے سستی کھال خریدنی چاہئے۔ تو پہلا ٹھگ اُس دیہاتی کے پاس گیا، کہ

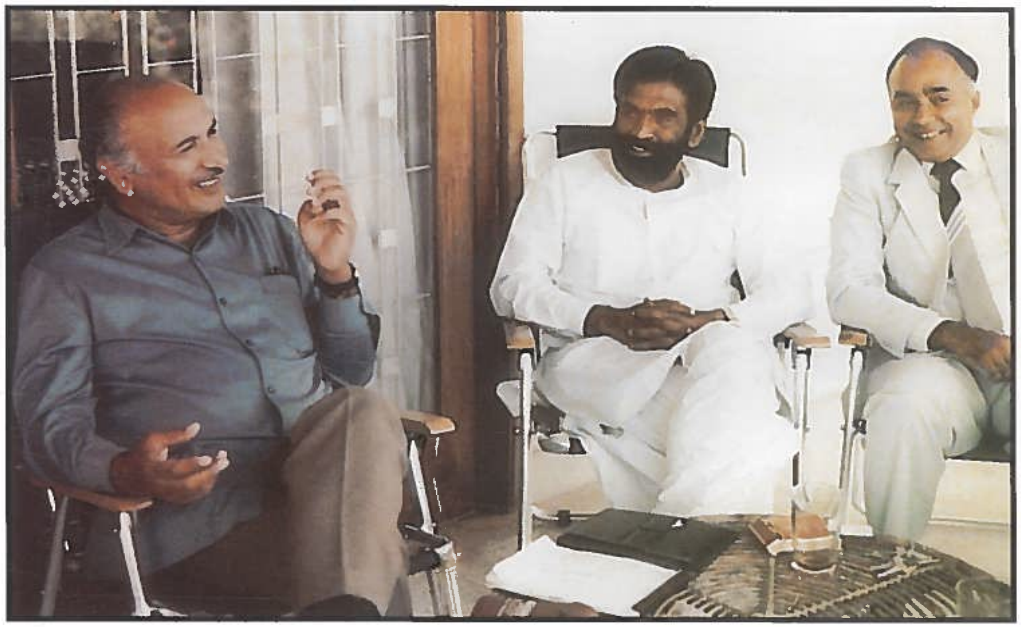

اصغر خان خوشگوار موڈ میں خلیل احمد نینی تال والا سے مخاطب ہیں۔

خلیل احمد نینی تال والا کی دعوت طعام کے موقع پر عبیدالرحمن ایڈووکیٹ اور الطاف گوہر محو گفتگو ہیں۔

یہ کھال کتنے کی ہے اُس کو معلوم تھا کہ کھال بڑھیا ہے اور اُون بھی بہت ہے لہٰذا اُس نے کہا کہ یہ کھال ایک ہزار کی ہے۔ ٹھگ نے پوچھا یہ کھال تم نے دھوپ میں سکھائی ہے یا چھاؤں میں، اُس دیہاتی نے سوچا اگر میں نے کہا چھاؤں میں تو شاید پوری رقم نہ دے تو دیہاتی نے کہا کہ دھوپ میں سکھائی ہے، ٹھگ بولا دھوپ میں سوکھنے سے یہ خراب ہوگئی ہے اس کی قیمت صرف سو روپے رہ گئی ہے اگر بیچنا ہے تو میں سو روپے دے سکتا ہوں کیونکہ تم نے دھوپ میں سکھا کر کھال خراب کر دی ہے۔ دیہاتی نے کہا کہ وہ سو روپے میں یہ کھال نہیں بیچ سکتا کیونکہ کھال بہت قیمتی ہے یہ سن کر وہ ٹھگ آگے بڑھ گیا۔ ٹھگوں نے تو پہلے ہی سے پلان بنایا ہوا تھا، دوسرا ٹھگ آیا اس نے بھی یہی سوال کیا کہ کتنے کی کھال ہے۔ اس نے پھر ہزار روپے بتائی تو ٹھگ نے پوچھا کہ یہ کھال تم نے دھوپ میں سکھائی ہے یا چھاؤں میں سکھائی ہے۔ دیہاتی پھٹ سے بولا یہ کھال میں نے چھاؤں میں سکھائی ہے۔ ٹھگ بولا تم نے تو چھاؤں میں سکھا کر کھال ضائع کر دی ہے کیونکہ اس کا پانی اندر ہی رچ گیا ہے وہ بدبو دے گا، اس طرح تو کھال ضائع ہو چکی ہے مگر میں تم کو ڈیڑھ سو روپے دے سکتا ہوں۔

دیہاتی یہ سن کر چکرا گیا کہنے لگا کہ میں اتنی اچھی کھال تم کو ڈیڑھ سو روپے میں نہیں دے سکتا اگر چاہئے تو چلو نو سو روپے میں دے دیتا ہوں ٹھگ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا بھلا چھاؤں میں سوکھی ہوئی کھال کوئی اتنی مہنگی خرید سکتا ہے۔ اب تھوڑی دیر بعد تیسرا ٹھگ آگے آیا اُس نے بھی وہی سوال کیا دیہاتی جلا بیٹھا تھا کہنے لگا یہ کھال میں نے کبھی دھوپ میں اور کبھی چھاؤں میں سکھائی ہے، ٹھگ کہنے لگا بھلا دھوپ اور چھاؤں کی سکھائی ہوئی کھال کو اتنی مہنگی کوئی خرید سکتا ہے۔ میں تو صرف دو سو روپے دے سکتا ہوں، دیہاتی تنگ آچکا تھا بولا لاؤ دو سو روپے اور لے جاؤ یہ کھال۔ منیر شاہ صاحب نے طنزاً یہ لطیفہ سنایا تھا کہ ہم کو ایم آر ڈی نہیں چھوڑنی چاہئے خواہ لوگ ہمیں کیسے کیسے دلائل ہی کیوں نہ دے دیں۔ مگر اتنے دلائل دینے کے باوجود اُس دیہاتی کی طرح ہم نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور ایم آر ڈی سے باہر آگئے۔

این پی پی میں شمولیت:

ابھی ہمیں تحریکِ استقلال کو چھوڑے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے کہ غلام مصطفیٰ جتوئی اور غلام مصطفیٰ کھر مل کر سیاسی پارٹی بنانا چاہتے تھے۔ ان دونوں حضرات کے ساتھ پی پی پی کے پرانے کارکن جو پارٹی کی قیادت سے بد دل تھے اس نئی پارٹی میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ جو جتوئی صاحب اور کھر صاحب کے وفاداروں میں شمار ہوتے تھے۔ انہی لوگوں نے مجھ سے رابطہ کیا کہ جتوئی صاحب کی نئی پارٹی میں ہمارے تحریکِ استقلال سے علیحدگی اختیار کرنے والے جن کی اکثریت کراچی اور حیدر آباد سے تعلق رکھتی تھی شامل ہو کر دوبارہ سیاست میں قدم رکھیں۔ ہم نے شرط رکھی کہ جتوئی صاحب خود چل کر میرے گھر تشریف لائیں، ہمیں شمولیت کی دعوت دیں اپنا منشور بتائیں ہمارے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ کریں، پھر ہم اُن کی پارٹی میں شامل ہوسکیں گے۔ جتوئی صاحب نے حامی بھر لی یاد رہے کہ اُن دنوں غلام مصطفیٰ کھر پاکستان آچکے تھے اور ضیاء الحق نے اُن کو ملتان جیل میں رکھا ہوا تھا۔ مقررہ تاریخ کو جتوئی صاحب اور اُن کے وفادار ساتھیوں سمیت میرے غریب خانے پر تشریف لائے تقریباً میرے لان میں ایک ہزار کارکن جمع تھے۔ میں نے اُن تمام تحریکی کارکنوں کی طرف سے نمائندگی کی تھی جتوئی صاحب کو اپنی تقریر میں، میں نے صاف صاف بتا دیا کہ تحریکِ استقلال میں باپ بیٹوں کی سیاست کی وجہ سے ہمیں یہ قربانی دینی پڑی اور تحریکِ استقلال کو چھوڑنا پڑا وغیرہ وغیرہ، جواب میں جتوئی صاحب نے کھل کر کہا کہ جناب میری پارٹی میں باپ بیٹے کی سیاست کا کوئی وجود نہیں ہے۔ میرے بیٹے اس پارٹی میں نہ ہیں اور نہ ہونگے۔ جو بھی میرا اثاثہ ہے وہ آپ لوگ ہونگے، انہوں نے کہا میں آپ کا دکھ سمجھتا ہوں کیونکہ میرے ساتھ بھی پی پی پی کی قیادت نے یہی سلوک کیا کہ ہم ان پرانے انکلوں سے تنگ ہیں۔ جو نئے لوگوں کو اپنے درمیان ایڈجسٹ نہیں کرتے، انہوں نے کہا میں آپ لوگوں کی قدر کرتا ہوں جس دن میں باپ بیٹے کی سیاست کروں آپ میرا گریبان پکڑ لیں۔ اُنکی تقریر کافی پُر نم تھی اور ہم کو بھی یہ پارٹی سوٹ کرتی تھی کیونکہ دونوں طرف قیادت سے ستائے ہوئے تھے۔ ہم نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ہم کو اس پارٹی میں شامل ہو جانا ہی بہتر ہے۔ پرانی کسی بھی سیاسی جماعت میں ہم ایڈجسٹ نہیں ہوسکیں گے۔ چنانچہ ہم نے باقاعدہ جلسہ کیا اور جتوئی صاحب کی نئی پارٹی جس کا نام ابھی تک سلیکٹ نہیں ہوا تھا، شمولیت کا اعلان کر دیا۔ چند دن بعد یعنی 31 اگست 1985ء کو اس نئی پارٹی کا کنونشن لاہور میں منعقد ہوا۔ جو تین دن تک جاری رہا۔ جتوئی صاحب نے

خلیل احمد نینی تال والا پی پی کے چیئرمین جناب غلام مصطفیٰ جتوئی کی پارٹی میں شمولیت کا اعلان کر رہے ہیں۔

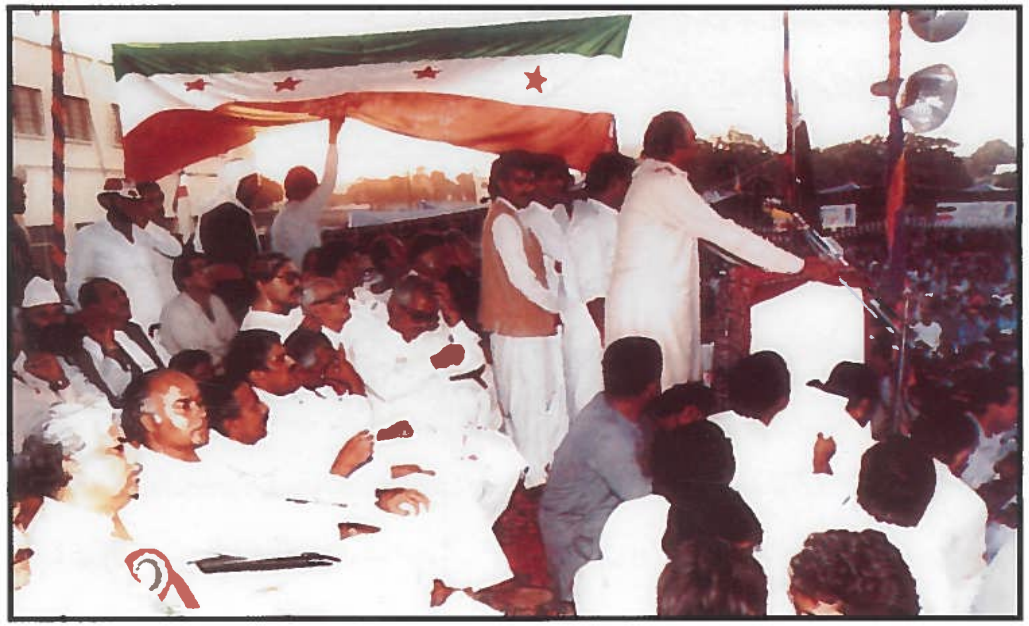

این پی پی کے جلسہ سے جناب خلیل احمد نینی تال والا خطاب کر رہے ہیں۔

مجھے اور میرے ساتھیوں کو کنونشن میں مدعو کیا اور بڑی پزیرائی دی مجھے اسٹیج پر بٹھا یا اور اپنے ہاتھ سے Founder Member کا کارڈ دیا اس نئی پارٹی کا نام اکثریت نے این پی پی یعنی نیشنل پیپلز پارٹی تجویز کیا اگر چہ میں نے اس نام کی مخالفت کی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی اس نام کی مخالفت میں ووٹ دیئے مگر چونکہ سابق پی پی پی کے کارکنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور انہی کی خواہش تھی کہ پی پی پی سے ملتا جلتا نام عوام میں جلد مقبول ہوگا۔اس کنونشن میں پورے ملک سے 1500 مندوبین تھے۔اس لئے اکثریت کے ووٹوں سے این پی پی وجود میں آ گئی۔ کنونشن کامیاب رہا۔عوام کی بھی پزیرائی ہوئی اس پارٹی میں کھر صاحب کی جگہ ان کی بیگم تہمینہ درّانی نے شرکت کی آنسوؤں اور ہچکیوں میں مصطفیٰ کھر کی جیل جانے کی خبر پر ماحول کافی رنجیدہ ہوگیا۔ کچھ دل جلے کارکنوں نے ضیاء الحق کے خلاف نعرے لگائے جس کو جتوئی صاحب نے سختی سے منع کر دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جتوئی صاحب کو ضیاء الحق نے ہی مشورہ دیا تھا کہ پی پی پی سے اپنا گروپ الگ کر لو تو اقتدار اُن کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اور یہی کھر صاحب کی بیگم تھیں جنہوں نے ماحول سوگوار بنایا تھا۔ بعد میں کھر صاحب کے اوپر ایک کتاب لکھ ڈالی جس میں اُن کے کرتوت آشکار کئے گئے تھے۔اُس کا نام انگریزی میں مائی فیوڈل لارڈ رکھا اور بعد میں اس کا اردو ترجمہ میرا منڈا سائیں کے نام سے کیا۔

اس مرحلے سے فارغ ہو کر میرے کارکن خوشی خوشی واپس کراچی آ گئے ۔جتوئی صاحب نے خود کراچی اور سندھ کی پہلی تنظیم نامزد کی ، یہ دیکھ کر تمام تحریکِ استقلال والوں کے منہ لٹک گئے کہ بھئی اعلیٰ منصب پر نہ تحریکِ استقلال کے کارکنوں اور عہدیداروں کو نامزد کیا اور نہ ہی پی پی پی کے علاوہ آنے والے دیگر پارٹیوں سے شمولیت کرنے والوں کو کوئی عہدہ دیا، صرف اور صرف اعلیٰ عہدے پی پی پی سے ساتھ آنے والوں کو دیئے گئے۔ جب ہم سب نے احتجاج کیا تو جتوئی صاحب نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ آپ لوگ خود اپنی اپنی پارٹیاں چھوڑ کر آئے ہیں جبکہ یہ میرے رفقاء صرف میرے کہنے پر پی پی پی جیسی بڑی جماعت جس میں پندرہ بیس سال رہے چھوڑ کر آنا میرے لئے اتنی بڑی قربانی کا بدلہ یہی ہے کہ تمام کلیدی عہدے ان کے پاس رہیں گے اور دوسرے تیسرے درجہ کے عہدے ہمارے حصہ میں آئے یہ ہمارا پہلا جھٹکا تھا، جو سب نے محسوس کیا مگر اب کیا کر سکتے تھے ہم نے غلطی جو کر لی تھی بغیر شرائط کے شمولیت کافی مہنگی پڑی۔ کہاں تو ہم تحریک استقلال میں نمبرون ، پوزیشنوں پر فائز تھے اور ہمیں اُمید بھی یہی تھی کہ ان عہدوں پر ہمیں پورے نہیں تو کم از کم آدھے کارکنوں کو ایڈجسٹ کر لیا جائے گا۔مگر افسوس ایک بھی کارکن اور مجھ تک کو نظر انداز کر دیا گیا۔ میں نے جس وقت تحریک استقلال چھوڑی میں کراچی کا صدر تھا اور سینرل ورکنگ کمیٹی

کا رکن تھا۔ یہاں این پی پی میں صرف سندھ کا سینئر نائب صدر بنایا گیا۔ جو ایک نمائشی عہدہ ہوتا ہے۔ فعال عہدہ صدر، چیئرمین یا سیکریڑی کا ہوتا ہے۔ جو پارٹی چلاتے بھی ہیں اور پارٹی کے ترجمان (Spokes Man) بھی ہوتے ہیں۔ بعد میں میرے زیادہ احتجاج پر سینٹرل ورکنگ کمیٹی کا رکن نامزد کیا گیا۔ جبکہ مجھے کراچی کا مزاج اور کراچی والوں سے رابطہ رکھے ہوئے آٹھ دس سال ہو چکے تھے۔ میرے تجربے سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا اور میرے دوست حاجی قاسم عباس پٹیل کو کراچی کا صدر اور میرے ہی دوست عبدالسمیع خان کو سیکریڑی نامزد کر دیا گیا۔ اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا کہ تمام کلیدی عہدے پی پی پی والوں کو ملے تھے جو ان سے عہدہ براں نہیں ہو سکے۔ پارٹی نے زبردست ٹیک آف تو کیا مگر جہاز میں اگر پیٹرول ختم ہو جائے یا پائلٹ اچھا نہ ہو تو جہاز زیادہ دیر فضاء میں نہیں رہ سکتا وہی ہوا، پارٹی اُٹھی بھی جلدی اور بیٹھ بھی جلدی گئی۔ خود پارٹی بھی انتشار کا شکار ہوگئی کیونکہ ضیاء الحق نے ایک گیم اور کھیلا کھر صاحب کو وعدے کے مطابق نہیں رہا کیا تو دو گروپ کھر اور جتوئی کے درمیان تقسیم ہو گئے۔ اگرچہ این پی پی میں کافی پی پی پی والے آچکے تھے۔ مگر تحریک نہیں ہو رہی تھی پھر ضیاء الحق صاحب نے سندھ حکومت میں این پی پی کو شمولیت کی دعوت دی تو تین وزارتیں اور ایک مشیر کی رشوت کے طور پر پیش کیں تو جتوئی صاحب نے بغیر کسی کو اعتماد میں لئے ایک وزارت اپنے صاحبزادے مرتضٰی جتوئی جو این پی پی کے رکن بھی نہیں تھے اُن کو دلوائی۔ دوسری اپنے قبیلہ کے ابراہیم جتوئی اور تیسری پیر آفتاب شاہ جیلانی کو دلوائی اور مرکزی سیکریٹری انفارمیشن (حالانکہ سندھ کے عہدیدار ہی سندھ کی وزارت کا مستحق ہوتا ہے۔) ضیاء عباس کو مشیر بنوادیا اور تمام اردو بولنے والوں کے حصہ میں ایک بھی وزارت نہیں دی گئی جبکہ سندھ کی پارٹی صرف اردو بولنے والوں میں پزیرائی حاصل کر سکی تھی اور سندھی عوام پی پی پی کی جعلی پارٹی این پی پی کو کہتے تھے۔ جب میرے علم میں یہ فیصلہ آیا تو میں نے جتوئی صاحب کو ان کا تاریخی جملہ یاد دلایا کہ اگر میں اپنے بیٹے کی سیاست کروں تو آپ بے شک میرا گریبان پکڑ لیں تو جتوئی صاحب نے مسکرا کر کہا بابا میں کیا کروں آگے الیکشن آنے والے ہیں کراچی والے مجھے ووٹ نہیں دیں گے کم از کم میں اپنے حلقے کو تو مضبوط کر لوں۔ الغرض یہاں بھی باپ بیٹے کی سیاست شروع ہو چکی تھی ہم کو جتوئی صاحب سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی اپنے وعدے سے پھر جائیں گے۔ اور دوسروں کی طرح اردو اسپیکنگ کے ساتھ وہی ناانصافی دوہرائیں گے باوجود اس کے کہ ہمارے ساتھ پہلے دن کا سلوک جو عہدیداران کی نامزدگی کے وقت ہوا تھا۔ آج پھر اُسی طرح دوہرایا جا رہا ہے گویا ایک ہی بل سے دوسری بار ہم کو ڈسا گیا سیاست میں سب جائز ہے۔ سنا تھا دوسری بار دیکھا بھی ہم سب نے، اب ہمارے لئے این پی پی میں کیا رہ گیا تھا۔ اب جتوئی صاحب سے کیا توقع کی جاسکتی تھی، میرے تمام تحریکی ساتھی جو دوبارہ بددل ہو گئے اور ہم سب نے (NPP) کو خیرباد کہدیا۔

ہمارے تمام کارکن ایک مرتبہ پھر سر جوڑ کر بیٹھے کہ اب کیا کیا جائے۔ اصغر خان صاحب کا فون آیا انہوں نے کہا میں آپ کو دوبارہ تحریک استقلال میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ پھر وہ کراچی میں میری رہائش گاہ پر تشریف لائے ہمارے تمام ناراض تحریک استقلال کے کارکن جمع ہوئے انہوں نے اپنے پرانے رویّہ پر معذرت کی اور غلطی تسلیم کی۔ مجھے انہوں نے سندھ کی صدارت کی پیش کش کی میں نے کارکنوں سے مشورہ کیا تمام نے اتفاق کیا اور ہم باجماعت دوبارہ تحریک استقلال میں شامل ہو گئے۔ اور تحریکِ استقلال کو دوبارہ فعال بنانے کے لئے سندھ اور کراچی کے علاقوں کا دورہ کیا تمام ناراض کارکنوں کو دوبارہ جمع کیا بعض نے ائر مارشل اصغر خان کی غیر مستقل سیاسی عادات پھر یاد دلائی مگر میں نے ان کو مطمئن کیا کہ ائر مارشل اب کافی تبدیل ہو چکے ہیں۔ اور ماضی سے سبق سیکھ چکے ہیں۔ لہٰذا ہم کو سب کچھ بُھلا کر ملک میں جمہوریت کی خاطر اصغر خان کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہئے۔ کچھ پس وپیش کے بعد تمام ہی کارکن تحریکِ استقلال میں دوبارہ شامل ہو گئے۔

میری رہائش گاہ پر کارکنوں کا بہت بڑا اجتماع ہوا۔ رحمت خان وردگ جو میرے جانے کے بعد تحریکِ استقلال کی کفالت کر رہے تھے انہوں نے میری مقبولیت دیکھ کر اصغر خان کو کہا کہ وہ خود سندھ کی صدارت کے اُمیدوار ہیں۔ اور اگر انہیں سندھ کی صدارت نہیں دی گئی تو وہ تحریکِ استقلال سے بمع اپنے دیرینہ ساتھیوں کے علیحدگی اختیار کر لیں گے۔ غالباً یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی ائر مارشل اصغر خان نے مجھے بلا کر سمجھایا کہ میں کوئی اور عہدہ لے لوں اور سندھ کی صدارت کا وعدہ بُھلا دوں۔ مجھے اُن کی یہ وعدہ خلافی بہت بری لگی۔ ایک مرتبہ پھر ہم نے میٹنگ کی تو تمام کارکن اس غیر متوقع تبدیلی کے لئے تیار نہیں تھے۔ کیونکہ اب پارٹی پر اصغر خان کی گرفت پہلے جیسی نہیں تھی۔ وہ پارٹی کے بچے ہوئے لیڈروں کے اشارے پر اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور تھے۔ لہٰذا ہمارے پاس دو ہی راستے تھے یا تو ہم پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لیں یا پھر وردگ کے ماتحت کام کریں۔ ہم نے بادل ناخواستہ پہلا راستہ اپنایا اور دوبارہ اس پارٹی کو خیرباد کر دیا۔ بعد میں یہی رحمت خان وردگ تھے جنہوں نے چند سال بعد پارٹی کی مرکزی قیادت پر قبضہ کر لیا۔ اور خود بانی کو پارٹی سے نکال دیا۔ اس طرح پارٹی سے نکالنے والا خود اس عمل کا شکار ہو گیا۔

مہاجر رابطہ کونسل میں شمولیت:

انہی دنوں سندھ کی سیاست میں مولانا وصی مظہر ندوی صاحب جو حیدر آباد کے میئر تھے، ایک نیم سیاسی، سماجی تنظیم مہاجر رابطہ کونسل تشکیل دی انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا ہم سب نے فیصلہ کیا کہ ہمیں اس تنظیم میں شامل ہو جانا چاہئے، چنانچہ ہم سب تحریکِ استقلال سے بد دل ہو کر اس تنظیم میں شامل ہو گئے۔ مجھے مہاجر رابطہ کونسل کا نائب صدر چن لیا گیا۔ اشتیاق اظہر کو سینئر نائب صدر اور اعجاز محمود کو سیکریٹری جنرل بنا دیا گیا۔ کچھ ہی دن بعد ضیاء الحق نے مولانا وصی مظہر ندوی کو مرکزی وزیر مذہبی امور پر فائز کر دیا جس کی وجہ سے ندوی صاحب اب کراچی کے بجائے اسلام آباد رہنے لگے۔ اشتیاق اظہر کو قائم مقام صدر بنا دیا گیا کچھ ہی عرصہ کے بعد مہاجر رابطہ کونسل مہاجر قومی موومینٹ سے منسلک ہوگئی۔ ہم سب نے ملکر MQM کی قیادت کو کراچی میں چائنا گراؤنڈ کے جلسے میں مدعو کیا۔ وہاں الطاف حسین صاحب نے صوبائی اور قومی الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ اور بعد میں سندھ کے تمام اردو بولنے والوں کے ترجمان کی حیثیت سے تمام قومی اور صوبائی سیٹیں جیت لیں۔ اور اس طرح MQM نے اردو بولنے والوں کے دل جیت لئے۔ کراچی اور حیدر آباد میں زبردست جلوس نکالے گئے۔ اسی دوران ایک تنظیم جو بالکل غیر سیاسی تھی جس کا کام بنگلہ دیش میں رہ جانے والے محصورین کو پاکستان لانا تھا، وجود میں آئی اس کا نام کمیٹی برائے منتقلی محصور پاکستانی (S.P.R.C) رکھا گیا۔ جس میں تحریکِ استقلال، جماعتِ اسلامی، جمعیتِ علمائے پاکستان، پی ڈی پی، این پی پی، پی این پی کے اکابرین شامل تھے متفقہ طور پر مجھے اس کا چیئرمین منتخب کیا۔ اس تنظیم نے بہاریوں کے مسائل پر سیمینار کئے اُن کی مشکلات سے حکومتوں کو آگاہ کیا۔ نواز شریف صاحب جو اس وقت مسلم لیگ پنجاب کے صدر اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے ہمارے ممبران کو لاہور مدعو کیا۔ اور 76 لاکھ روپے کا چیک مجھے پیش کیا تاکہ ہم ایک لاکھ جوڑے کپڑے ان مشرقی پاکستان کے بہاریوں کو بھجوا سکیں۔ جو چند ماہ بعد ہی ہم نے ایک لاکھ دس ہزار جوڑے کپڑے انٹرنیشنل ریڈ کراس کے ذریعہ ڈھاکہ اور چٹاگانگ میں اُنکے کیمپوں میں بھجوا کر تقسیم کروائے۔

نواز شریف صاحب نے بہاریوں کو پاکستان لانے کی ذمہ داری بھی قبول کی۔ بعد میں جب وہ وزیر اعظم بنے تو تقریبا چار سو بہاری پاکستان بھی لائے گئے۔ بعد میں وہ اپنے وعدے سے ٹال مٹول کرتے رہے، ان کے دیئے ہوئے 76 لاکھ میں تقریباً 21 لاکھ روپے ابھی بچے ہوئے تھے جب ہم نا اُمید ہو گئے کہ نواز شریف صاحب اب ان پاکستانیوں کو پاکستان لانے میں مخلص نہیں ہیں۔ تو ہم نے یہ 21 لاکھ روپے کا ڈرافٹ اُس وقت کے پنجاب کے وزیر اعلیٰ

خلیل احمد نینی تال والا چیئرمین کمیٹی برائے محصور پاکستان کی طرف سے بھیجے گئے ایک لاکھ دس ہزار کپڑوں کے جوڑے چٹ گانگ بنگلہ دیش میں بہاری کیمپ میں تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ (1992ء)

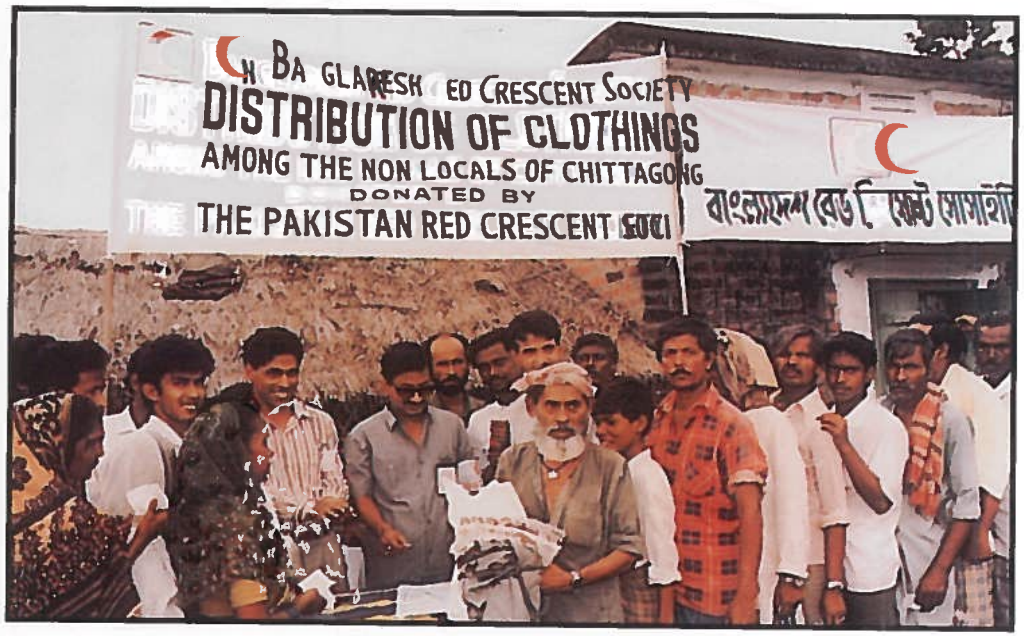

بہاری کیمپوں میں ضرورت مندوں کو کپڑے تقسیم کئے جا رہے ہیں۔

غلام حیدر روان صاحب کو لوٹا دیا اور تنظیم S.P.R.C کو ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ اب کوئی بھی ان محصورین کو پاکستان لانے میں مخلص نہیں رہا تھا۔

سندھ بچاؤ تحریک کی بنیاد:

پھر سندھ میں اردو اور سندھی بولنے والوں کا ٹکراؤ ہوا۔ ہم نے سندھ بچاؤ تحریک کے نام سے غیر سیاسی تنظیم بنائی اس تنظیم میں سندھی، پنجابی، پٹھان اور مہاجر سب کی نمائندگی تھی اور صرف ایک نکاتی ایجنڈا تھا وہ یہ کہ سندھ میں رہنے والے سب بھائی ہیں اور سندھ پر سب کا حق ہے۔ کراچی سے لیکر اندرون سندھ میں جا کر اس تنظیم نے دورے کیے جو افراد آپس میں لڑانا چاہتے تھے اُن سے رابطے کیے۔ تا کہ سندھ کا امن اور بھائی چارے کی فضاء پیدا ہو۔ کا اردو بولنے والے اندرونِ سندھ سے نقل مکانی کر کے کراچی اور حیدر آباد اپنے اپنے رشتہ داروں اور کیمپوں میں آ گئے تھے اسی طرح سندھی بولنے والے کراچی اور حیدر آباد سے نقل مکانی کر کے سندھی کیمپوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس تنظیم نے دونوں کیمپوں کا دورہ کیا ان میں کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کی۔ مشتعل لوگوں کو ٹھنڈا کیا۔ قتل وغارت گری کو رکوایا۔ املاک کو جلنے سے بچایا۔ کچھ عرصہ کے بعد شہروں میں دوبارہ سکون ہوا۔ نقل مکانی رک گئی۔ سندھی اور اردو بولنے والوں نے دوبارہ بھائی چارہ کی فضاء پیدا کی۔ حکومت نے بھی دونوں فریقین کو ٹھنڈا کیا ابھی سندھی مہاجر کی جنگ بند ہوئی تھی کہ سانحہ علیگڑھ کراچی میں خونی ڈرامہ کھیلا گیا۔ یہ سہراب گوٹھ سے بارہ مارکیٹیں ختم کرنے کا ردِّ عمل بتایا گیا جس میں پٹھانوں نے اردو بولنے والوں پر دن بھر قتل وغارت گری کی جس سے پٹھان مہاجر فسادات کراچی میں پھوٹ پڑے۔ کراچی میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اس تنظیم نے باقاعدہ علیگڑھ کالونی اور بنارس چوک کے علاقوں کا دورہ کیا۔ پٹھان اور اردو بولنے والے معزز افراد پر مشتمل کمیٹیاں تشکیل دیں۔ اور بتایا یہ ڈرگ مافیا کا کیا دھرا ہے۔ عام پٹھان اس میں ملوث نہیں ہے کئی ماہ تک حالات خراب رہے پھر آہستہ آہستہ شہر کراچی میں امن و امان ہوا۔ ظاہر ہے کہ جب امن و امان ہو جائے تو تنظیم ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں۔ وہ میٹنگیں جو ہفتے میں دو بار ہوتیں تھیں پھر ایک بار ہونے لگیں۔ آہستہ آہستہ ماہ پہ ماہ ہوتی پھر چند ماہ بعد ہونے لگیں پھر ختم ہو گئیں سندھ بچاؤ تحریک کا مقصد بھی پورا ہو چکا تھا لہٰذا یہ تنظیم بھی ختم ہو گئی۔ میں زیادہ تر اپنے کاروبار کے سلسلے میں باہر کے ممالک جاتا رہتا تھا سیاست تقریباً ختم ہو گئی تھی میں بھی دل لگا کر صرف کاروبار کی طرف توجہ دے رہا تھا اہلِ و عیال بھی خوش تھے کہ سیاست سے جان چھوٹی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ملک میں نواز شریف کی حکومت برطرف کر دی گئی۔ ان دنوں میں عمرہ کرنے سعودی عرب گیا۔ وہاں سے اپنی فیملی کے ہمراہ لندن جا رہا تھا کہ اتفاق سے اُسی جہاز میں آصف علی زرداری بھی

عمرہ کر کے لندن جا رہے تھے۔ ہماری ملاقات ہمارے کارکن دوست چودھری شریف نے کروائی جو خود بھی اُسی جہاز میں سوار تھے۔ اور ایف آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر تھے۔

سفر کے دوران آصف علی زرداری صاحب سے سیاسی گفتگو بڑی دلچسپ رہی انہوں نے مجھے پی پی پی میں شمولیت کی دعوت دی۔ میں نے بتایا کہ میں سیاست سے کنارہ کش ہو چکا ہوں۔ وہ اصرار کرتے رہے، لندن پہنچ کر انہوں نے مجھے رات کے کھانے پر بھی مدعو کیا اور پھر دوبارہ پی پی پی میں شمولیت کی دعوت دی اور آنے والے الیکشن میں ٹکٹ کی بھی پیشکش کی میں نے شکریہ کے ساتھ معذرت کی، لندن کے قیام کے دوران کئی مرتبہ ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں وہ بہت ہی خلوص سے مجھے دوبارہ سیاست میں آنے کے لئے تیار کرتے رہے۔ پھر میں چند دن لندن رہ کر واپس کراچی آ گیا۔ اور اپنے کاروبار میں لگ گیا۔ غلام اسحٰق خان نے الیکشن کروائے اور اس طرح پی پی پی دوبارہ اقتدار میں آ گئی۔

مشیر اطلاعات سندھ:

میں بھی سب کچھ بھول بھال گیا۔ بے نظیر صاحبہ نے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے دوبارہ وزیرِ اعظم کا عہدہ سنبھالا۔ اور سندھ کے وزیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے عبداللہ شاہ نے حلف اُٹھایا۔ میں اُن دنوں اپنی سوات میں قائم فیکٹری گیا ہوا تھا کہ پرائم منسٹر ہاؤس سے کراچی دفتر میں فون آیا کہ آصف علی زرداری فوری طور پر بات کرنا چاہتے ہیں انہوں نے سوات کا نمبر دیا تو سوات میں ان سے رابطہ ہوا انہوں نے مجھے پرائم منسٹر ہاؤس پہنچنے کے لئے کہا میں پی ایم ہاؤس اسلام آباد پہنچا ائر پورٹ پر انہوں نے ایک گاڑی بھیجی ہوئی تھی۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا انہوں نے پوچھا کراچی کی فلائٹ کب ہے ان دنوں نئی ائر لائن ہجویریا کی فلائٹ ڈھائی بجے جا رہی تھی ان کے سیکریٹری نے میری سیٹ بک کروائی اور مجھے کہا کہ کل سندھ کی کابینہ حلف اُٹھا رہی ہے آپ کراچی جا کر سی ایم ہاؤس اطلاع دیں کیونکہ زرداری صاحب نے وزیرِ اعلیٰ سے آپ کے متعلق بات چیت کر لی ہے۔ میں مذاق سمجھتا رہا اور کراچی آ گیا۔ دوسرے دن سندھ کی کابینہ نے حلف اُٹھا لیا، نہ میں نے رابطہ کیا نہ ہی سی ایم ہاؤس سے کوئی فون آیا۔ چند دن آرام سے گزر گئے۔ تو ہمارے دوست حکیم ناصر کا فون میرے موبائل پر آیا کہ سی ایم ہاؤس سے آپ کا نمبر مانگا جا رہا ہے۔ کیا میں دے دوں میں نے کہا دے دیں۔ تھوڑی دیر بعد سی ایم ہاؤس سے فون آیا، سی ایم صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کل دوپہر کے کھانے پر آپ تشریف لے آئیں۔ دوسرے دن میں دوپہر کھانے پر پہنچا تو بڑا تعجب ہوا کہ کئی افراد میرے منتظر تھے۔ جونہی میں گاڑی سے اترا مجھے فوراً سی ایم صاحب سے ملوانے لے گئے وہ میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ حیرت اس بات پر بھی ہوئی کہ صرف اکیلے مجھے ہی کھانے پر مدعو کیا گیا تھا۔ کھانے کے دوران

خلیل احمد نینی تال والا مشیر اطلاعات سندھ کے دفتر میں پہلے دن پریس کانفرنس کر رہے ہیں۔

وہ میرے سیاسی کیریئر کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور ہم اطمینان سے کھانا کھاتے رہے۔ کھانے کے بعد وہ مجھے اپنے دفتر میں لے گئے، کہنے لگے صاحب نے (آصف علی زرداری کو کوڈ ورڈ میں صاحب کہا جاتا ہے۔) آپ کی بڑی تعریف کی ہے ہمارے پاس بدقسمتی سے کوئی بھی اردو بولنے والا کراچی سے نمائندہ نہیں ہے ہم چاہتے ہیں کہ اردو سندھی خیر سگالی کے لئے آپ سے زیادہ موزوں کوئی اور شخص نہیں ہوسکتا۔ آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں ہم آپ کو مشیر ِ اطلاعات بنانا چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا میں کاروباری مصروفیات کی وجہ سے آئے دن باہر جاتا رہتا ہوں اتنا وقت نہیں دے سکوں گا انہوں نے کہا کہ غیر حاضری میں سیکریٹری اطلاعات ہی کام چلا لیتے ہیں کوئی بات نہیں آپ انکار نہیں کریں پھر میں نے کہا کہ میں ایک اصول پرست آدمی ہوں غیر اصولی اور غلط کام میں نہیں کرسکوں گا۔ آپ کے جیالے اول تو مجھے قبول ہی نہیں کریں گے۔ یا پھر مجھ پر دباؤ ڈلوائیں گے کہ یہ کام کرو وہ کام کرو انہوں نے کہا کہ آپ صاحب کے آدمی ہیں کارکن آپ کو تنگ نہیں کریں گے۔ سب کو بعد میں معلوم ہو جائیگا۔ صاحب پارٹی سے بہت مخلص ہیں آپ جیسے لوگ آئیں گے تو اردو بولنے والوں کے حقوق کا تحفظ بھی کرسکیں گے۔ الغرض بہت بحث ومباحثہ کے بعد میں نے مشیر ِ اطلاعات کا عہدہ قبول کرلیا تو چیف منسٹر عبداللہ شاہ نے بڑی گرم جوشی سے کھڑے ہو کر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے پیشگی مبارک باد بھی دی ساتھ ساتھ کہا آپ کا عہدہ اور پروٹوکول (Protocol) ہمارے وزراء کے برابر ہوگا۔ اور تمام سہولتیں بھی ایک وزیر کے برابر ہی ملیں گیں۔ میں ہاتھ ملا کر واپس جا رہا تھا تو انہوں نے اپنے سیکریٹری کو کہا صاحب کو فون لگاؤ۔ رات نو بجے اخبارات کے دفاتر سے مجھے مبارک باد کے فون آنا شروع ہو گئے۔ کیونکہ میرا بحیثیت مشیر ِ اطلاعات سندھ نوٹفکیشن جاری کر دیا گیا تھا۔ میں نے اسلام آباد آصف علی زرداری کو فون کیا انہوں نے میرے شکریئے کے جواب میں کہا کہ خلیل مجھے اب یقین آ گیا کہ تم میرے ساتھ کام کرکے اور اچھے لوگ پارٹی میں لاؤ گے۔ کوئی بھی تنگ کرے مجھے بلا جھجک فون کر دینا مجھے معلوم ہے کہ میری پارٹی کے جیالے اس شمولیت سے خوش نہیں ہونگے۔ مگر میرا اور عبداللہ شاہ کا تعاون تمہارے ساتھ ہوگا۔

(پہلا اختلاف)

اتفاق سے تیسرے ہی دن وزیر اعظم بے نظیر صاحبہ ہمدرد یونیورسٹی تشریف لائیں۔ وہاں میرا پہلا تعارف کرایا گیا۔ انہوں نے بھی مجھے اس عہدہ کی مبارک باد دی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ انہیں پہلے ہی آصف علی زرداری صاحب میرے متعلق پوری بریفنگ دے چکے ہیں وہ مجھے دوسرے دن ہماری سندھ کابینہ کی مشیر سماجی بہبود راحیلہ ٹوانا نے بتایا کہ آپ جب ہمدرد یونیورسٹی کے فنکشن ختم کر کے چلے گئے تو محترمہ بے نظیر صاحبہ کو بتایا گیا اگلے میٹنگ ورکرز کے ساتھ ہے۔ میں چونکہ پی پی پی کا ممبر نہیں تھا اس لئے مجھے مطلع بھی نہیں کیا گیا تھا۔ وہاں پی پی پی کے کارکن میٹنگ میں میری مشیر اطلاعات کی تقرری کے سخت خلاف تھے کہ باہر کے لوگوں کو پارٹی میں لا کر وزیر اور مشیر بنایا جا رہا ہے۔ اس طرح کارکنوں کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ راحیلہ ٹوانہ نے بتایا کہ محترمہ پہلے سب کے اعتراضات سنتی رہیں اور نوٹ بھی کرتی رہیں بعد میں انہوں نے میری شمولیت کو پارٹی کے لئے بہت مفید قرار دیکر دلائل دیئے کہ خلیل احمد نینی تال والا خود نہیں آنا چاہتے تھے۔ ہم نے خود اُن سے کہا ہے کہ ہماری پارٹی میں آیئے کراچی والوں کے لئے بتائیں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ وہ خود ایک صنعتکار بھی ہیں اور ماضی میں سیاسی وابستگی بھی رہی ہے۔ آپ انکو پارٹی میں خوش آمدید کہیں اور انکو پارٹی کے لئے کام کرنے دیں۔ کارکنوں کو انہوں نے خاموش تو کر دیا مگر پارٹی کے عہدیدار مجھ سے پھر بھی خوش نہیں تھے۔ اول وہ اپنی میٹنگ میں نہیں بلاتے۔

میں نے اپنی رہائش گاہ پر ایک عشائیہ رکھا سب کو دعوت نامہ بھیجے، اخبارات کے نمائندوں رپورٹرز، فوٹو گرافر اپنے سیاسی دوستوں کو بلایا، پی پی پی کی طرف سے کوئی نہیں آیا البتہ عبداللہ شاہ کے ساتھ وزراء آ گئے۔ انہوں نے عبداللہ شاہ کو بھی روکنے کی کوشش کی مگر عبداللہ شاہ نہ رکے وہ آ گئے انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ میں نے پی پی پی کے عہدیداروں کو دعوت نامے خود نہیں پہنچائے، اس وجہ سے وہ سب ناراض ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ دعوت نامے سب کو میں نے بھجوائے تھے مگر چونکہ وہ مجھے پارٹی میں کام نہیں کرنے دینا چاہتے ہیں اس لئے یہ بہانے بنا رہے ہیں۔

چند دن بعد میں نے اپنے تحریک استقلال کے سابقہ ساتھیوں اور پی پی پی کے کارکنوں کو جمع کیا کہ پہلا جلسہ میں شاہ فیصل کالونی میں کرنا چاہتا ہوں جہاں کئی مقامی معززین اور وکلاء شمولیت کا اعلان بھی کریں گے۔ اس کیلئے میں نے پانچ ہزار کارڈ چھپوائے کراچی کی تنظیم کو خصوصی طور پر خود دعوت بھی دی۔ اس تقریب کا اہتمام تحریک استقلال کے خالد محمود ناصر ایڈووکیٹ نے کیا تھا۔ اس مرتبہ بھی پی پی پی کراچی ڈویژن کے عہدیداران نے جلسہ ملتوی کروا دیا

جس سے میں اور میرے دوست بد دل ہو گئے۔ چند دن بعد جب آصف علی زرداری صاحب کراچی تشریف لائے تو میں نے اُن سے شکایت کی کہ پی پی پی کے کراچی ڈویژن کے عہدیداران اور کارکن مجھے کراچی میں کام نہیں کرنے دے رہے ہیں۔ایسے میں میرے لئے ناممکن ہے کہ نئے افراد پی پی پی میں شامل کرسکوں، آصف علی زرداری صاحب نے کراچی ڈویژن کے عہدیداروں کو بلاول ہاؤس بلا کر سمجھایا کہ مل جل کر کام کریں اور آئندہ مجھے شکایت کا موقع نہ دیں۔ان عہدیداروں نے بظاہر تو میرے ساتھ صلح کر لی مگر عملاً وہ مجھے پارٹی میٹنگ میں نہیں بلاتے تھے۔اور نہ میری رہائش گاہ پر ہونے والی تقریبات میں شرکت کرتے تھے۔جس سے میں مایوس ہو کر خاموش بیٹھ گیا۔ کیونکہ میں صرف صوبے میں اردو بولنے والوں کے درمیان غلط فہمیاں ختم کرانا چاہتا تھا۔دوسری طرف وزیرِ اعلیٰ عبداللہ شاہ کا رویّہ بھی میرے ساتھ متعصّبانہ تھا۔کیبنٹ میٹنگ میں میرا ان سے کراچی کی صورتحال پر اختلاف رہتا تھا۔ وہ صرف پولیس اور انتظامیہ کی رپورٹ کو اہمیت دیتے تھے۔مگر صوبے میں بگڑی ہوئی صورتحال کا صحیح تجزیہ نہیں کرتے تھے۔ صوبے میں غیر یقینی صورتحال تھی آئے دن فسادات ہوتے تھے۔قتل، ڈاکہ، لوٹ مار عام تھی مگر کیبنٹ میٹنگ کے ایجینڈے میں کبھی بھی صوبے کی صورتحال کا ذکر نہیں ہوتا تھا۔گویا ہر طرف امن ہی امن ہے۔صوبے سے فیکٹریاں بند کر کے صنعت کار دوسرے صوبے بالخصوص پنجاب منتقل ہو رہے تھے۔مگر وزیرِ اعلیٰ کو کوئی فکر نہیں تھی۔اردو بولنے والے تمام مشیر ہی نالاں تھے مگر وہ چپ تھے کیونکہ وہ باقاعدہ تنخواہ اور مراعات لیتے تھے جبکہ میں نے سرکاری خزانے سے ایک روپیہ بھی لینا پسند نہیں کیا تھا۔نہ میں نے ڈھائی سال کے دوران کبھی تنخواہ لی نہ ہاؤس رینٹ، مرمت کے سلسلے میں ملنے والی رقم سالانہ آرائشی فنڈ وغیرہ کبھی نہیں لیا۔اگر کبھی کوئی چیک میرے نام جاری ہوا وہ بھی منسوخ کر کے واپس حکومتِ سندھ کے کھاتے میں جمع کروادیا۔ایک لیٹر پیٹرول تک میں نے نہیں لیا۔کبھی سرکاری دفتر کا ٹیلیفون تک استعمال نہیں کیا۔اوّل تو میں سرکاری دفتر نہیں جاتا تھا کیونکہ وہ کے ڈی اے کی پرانی بلڈنگ میں واقع تھا وہ اتنا خراب تھا کہ کرسیاں تک ثابت نہیں تھیں۔شروع میں جب وزارتِ اطلاعات کا مشیر بنایا تو وہ دفتر بھی بہت خراب تھا۔ اُس میں ٹی وی اور ڈش اینٹینا تک نہیں تھا۔بھلا ان ضروری مشینریوں کے بغیر کیسے دفتر چلایا جاسکتا تھا۔میں نے از خود پورا دفتر Renovate کیا اپنے پیسے خرچ کر کے دفتر میں ٹی وی، ڈش اینٹینا لگوایا۔تمام فرنیچر نیا اپنی جیب سے خریدا۔ وزیرِ اعلیٰ اپنے منظورِ نظر افراد کو اخبارات کے اشتہارات دینے کے لئے دباؤ ڈالتے تھے۔جو بے نام پرچے نکالتے تھے، اُن کا بڑا ہولڈ تھا۔ میں نے اصلی اور جعلی اخبارات کی لسٹ بنائی اور تمام نام نہاد پرچوں پر پابندی لگادی کہ سرکاری اشتہارات نہ دیئے جائیں اور بڑے بڑے روزناموں کے پرانے بقایا جات بھی ادا کروائے۔ان نام نہاد اخبارات کے مالکان مجھے بلیک میل کرنے لگے۔میرے خلاف اپنے اخبارات میں الزامات کی بوچھاڑ کرتے۔مجھ سے پریس کانفرنس میں غیر ضروری سوالات کرتے مجھ پر تعصب پرستی کا الزام لگاتے۔کبھی مجھ پر بہاریوں سے ہمدردی کا ناٹک رچاتے۔اندرونِ سندھ کے دوروں پر تو وہ بہت ہی منظم طریقہ سے میرے خلاف مہم (Compaign) چلاتے مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی۔البتہ وزیرِ اعلیٰ ان کا نوٹس ضرور لیتے میں ان کو بتاتا کہ یہ اخبارات ڈمی پیپر ہیں یا ان کی چند سو سے بھی زیادہ اشاعت نہیں ہے۔جبکہ انہوں نے جعلی اے بی سی کا سرٹیفکیٹ رشوتیں دیکر لاکھوں کا دعویٰ کر رکھا ہے۔

ایک مرتبہ لاڑکانہ میں بھٹو صاحب کی برسی تھی مجھے عمرہ پر جانا تھا۔میں نے وزیرِ اعلیٰ کو مطلع کیا انہوں نے کہا اچھا میں آپکی غیر موجودگی میں کسی اور کو قائم مقام مشیر اطلاعات بنا دیتا ہوں۔دراصل وہ موقع کی تلاش میں تھے۔اور میں نے موقع فراہم کر دیا اور جان چھڑالی۔انہوں نے میری غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر محمد یوسف ایڈووکیٹ کو مشیر اطلاعات بنا دیا۔یہ خبر بھی میں نے مدینہ میں اخبارات میں پڑھی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ایک کیبنٹ میٹنگ میں جس کی صدارت محترمہ بے نظیر بھٹو کر رہی تھیں، انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ کراچی کے عوام ابھی تک پی پی پی کی حکومت سے کیوں خوش نہیں ہیں۔میں نے جواب دیا کہ پی پی پی نے اُن کے لئے کیا کام کیا ہے۔محترمہ نے فرمایا ہم نے 21 ارب روپے کا پیکیج تیار کیا ہے۔جس کا اعلان وہ جلد ہی کرنے والی ہیں۔میں نے انہیں مشورہ دیا کہ 21 رب روپے میں سے صرف چار ارب روپے آپ کراچی اور حیدرآباد کے ان مظلوم افراد کے لئے مختص کر دیں جو جعلی انویسٹمنٹ کمپنیوں نے لوٹ کر ان 65000 ہزار افراد کو محروم کر دیا ہے۔اور اس کا تمام ریکارڈ میں نے چھ ماہ میں جمع کر کے Computerized کر دیا ہے۔اگر ہم نے ایسا کیا تو یقیناً کراچی کے افراد بہت خوش ہو جائیں گے۔ان میں بیشتر بوڑھے اور ریٹائرڈ افراد کے علاوہ خواتین بھی شامل ہیں جو ان نام نہاد انویسٹمنٹ کمپنیوں کے دھوکے میں آکر اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی لٹا چکے ہیں۔اگر 21 ارب روپے میں سے صرف چار ارب ان کو مل گئے تو وہ بہت دعائیں بھی دیں گے۔اور پی پی پی کی حکومت سے خوش ہو جائیں گے۔میرے اصرار کے باجود محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ رضامند نہیں ہوئیں۔حالانکہ یہی پی پی پی کی حکومت نے پنجاب میں تمام نام نہاد بینکوں اور جعلی کوآپریٹو سوسائٹی کمپنیوں کے انویسٹروں میں پچاس پچاس ہزار روپے کی پہلی قسط الیکشن جیتنے کے فوراً بعد ان متاثرین کو ادا کری تھی، کیونکہ پنجاب کے انتخابی مہم کے دوران محترمہ نے اعلان کیا تھا کہ وہ ان کو آپریٹو سوسائٹی اور بینکوں کے مالکان سے یہ رقمیں وصول کر کے دلوائیں گی مگر جب بعد میں پتا چلا کہ ان کو آپریٹو سوسائٹی اور بینکوں کے پیچھے خود پی پی پی کے افراد ملوث ہیں تو

سرکاری خزانے سے یہ رقمیں ادا کرادی گئیں۔ اوران کے خلاف کوئی کاروائی تک نہیں کی، جبکہ یہی معاملہ سندھ میں درپیش ہے تو ان کو کیوں محروم رکھا جارہا ہے۔ یہ دوہرا نظام کیوں ہے، محترمہ نے فرمایا ہمارے پاس ان جعلی انویسٹمینٹ کمپنیوں کا اصلی ریکارڈ نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ چلیں صرف پچاس پچاس ہزار روپے تک ادا کردیں، ریکارڈ میرے پاس ہے اور ہم اچھی طرح چھان بین کر کے بقایا جات ادا کردیں گے، مگر افسوس محترمہ صاحبہ نے میرے مشورے کو نہیں مانا۔ بعد میں دس سال بعد میری ملاقات محترمہ سے دبئی میں ہوئی میں نے انہیں یاد دلایا کہ اگر میرا مشورہ مان لیا جاتا تو کراچی والے بھی پی پی پی کے اس ڈوبی ہوئی رقم کی ادائیگی سے خوش ہوکر ضرور ووٹ دیتے۔ اور پی پی پی کے لئے اچھے جذبات کا اظہار کرتے۔ محترمہ نے فرمایا آپکا مشورہ واقعی درست تھا، لوگ 21 ارب کو بھول گئے۔ کیونکہ وہ سرکاری پیکیج تھا جس سے انکو ذاتی فائدہ نہیں پہنچا تھا وہ تو سڑکوں اور پلوں کے لئے مخصوص تھا اگر ہم یہ رقوم ادا کرتے تو بہتر نتائج حاصل کرسکتے تھے۔

پی پی پی کے اس دور میں جب صدارتی لیکشن میں فاروق لغاری کا نام آصف علی زرداری صاحب نے پیش کیا تو سب ہی حیران تھے۔ خود زرداری صاحب نے اپنی کوشش سے انہیں کامیاب کروایا۔ یہاں تک انہوں نے مجھے قائدِ تحریک الطاف حسین صاحب سے ملنے لندن بھیجا۔ (یہ خرچہ بھی میں نے اپنی جیب سے کیا تھا۔) الطاف حسین صاحب نے ملاقات میں چند شرائط رکھیں جو میں نے زرداری صاحب کو مطلع کیا جو انہوں نے منظور کرلی اس طرح صدارتی الیکشن میں ایم کیو ایم نے اپنے ووٹ پی پی پی کی حکومت کو دیئے اور فاروق لغاری صاحب انہی ووٹوں کی وجہ سے صدارتی الیکشن جیت گئے۔ بعد میں زرداری صاحب نے سندھ کی حکومت میں ایم کیو ایم کو شامل کرنے کے لئے کئی مذاکرات کئے جس میں مجھے بھی شریک رکھا گیا مگر دونوں فریق ایک دوسرے کی شرائط کو قبول نہیں کرسکے اور ایم کیو ایم سندھ حکومت میں شامل نہیں ہوسکی۔ اگر اُس وقت مفاہمت ہوجاتی تو اس سے سندھ میں اردو اور سندھی بولنے والوں کو ایک دوسرے کے مزید قریب لایا جاسکتا تھا۔ مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا۔ اسی دوران حکومت اور صنعتکاروں کے درمیان رسہ کشی ہوگئی۔ فیڈریشن اور کراچی چیمبرز نے ہڑتال کی کال دیدی جس کو رکوانے کے لئے میں نے فیڈریشن اور چیمبرز کے عہدیداران سے ملکر اس محاذ آرائی کو ختم کروایا۔ ان اراکین کو وزیرِ اعلیٰ ہاؤس میں خیر سگالی کی میٹنگیں بھی کرائیں صرف اس لئے کہ صوبہ میں صنعتی امن بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا معاشی امن ضروری ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں صوبے کے اردو بولنے والوں کیلئے کوئی فعال کام نہیں کرواسکا۔ کیونکہ عبداللہ شاہ کا جاگیردارانہ برتاؤ میرے لئے قابلِ قبول نہیں تھا۔ نہ میں دوسروں کی طرح ہاں میں ہاں ملاتا تھا۔ اکثر کیبنٹ میٹنگوں میں بھی نہیں جاتا تھا۔ کیونکہ وہ صرف پی پی پی کے وزراء کی تو سنتے تھے مگر باہر سے آئے ہوئے دیگر مشیروں کو نظر انداز کرتے تھے۔ میں استعفیٰ دینا چاہتا تھا، مگر میرے دوستوں نے مجھے منع کردیا تھا اس طرح وزیرِ اعلیٰ سے ڈائریکٹ دشمنی ٹھیک نہیں ہے۔ ایک دن انہوں نے چند مشیروں کو اپنے دفتر بلوا کر کہا کہ آپ لوگ ٹھیک کام نہیں کر رہے ہیں۔ میں نے کہا تو پھر آپ ہم سے استعفے لے لیں، انہوں نے فوراً ہی حامی بھر لی میں نے اپنے دفتر سے اپنی گاڑی منگوائی حالانکہ میں سرکاری گاڑی کبھی کبھی استعمال میں لاتا تھا۔ 90 فیصد اپنی گاڑی اور اپنا پیٹرول خرچ کرتا تھا، سرکاری گاڑی میں بھی اپنا پیٹرول خرچ کرتا تھا۔ وہ سرکاری گاڑی وزیرِ اعلیٰ ہاؤس چھوڑی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر گھر آگیا۔ اور اپنا استعفیٰ بھجوا دیا۔ کیونکہ میں سرکاری گھر میں نہیں رہتا تھا۔ لہٰذا میرے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ گھر آکر بتایا کہ میں نے استعفیٰ دے دیا ہے تو گھر والے خوش ہوئے کہ چلو جان چھوٹی۔ اب میں گھر والوں کو وقت دے سکوں گا۔ چند ماہ بعد ہی پی پی پی کی حکومت دوبارہ ختم کردی گئی۔ اور وہ حکومت بھی خود پی پی پی کے صدر جناب فاروق لغاری صاحب نے کی جس نے ان کو صدر بنوایا تھا یعنی (آصف علی زرداری نے)، سب سے پہلے انہوں نے آصف علی زرداری کو ہی گورنر ہاؤس لاہور سے گرفتار کروایا اور آج تک وہ مقدمات لڑ رہے ہیں بعد کی آنے والی حکومتوں جس میں مسلم لیگ کے نواز شریف نے تمام مدت انہیں جیل میں رکھا بعد میں فاروق لغاری صاحب بھی فارغ کردیئے گئے۔ اُن سے وہ تمام اختیارات بھی بڑی خوبصورتی سے لے لئے گئے جس کو انہوں نے پی پی پی کے خلاف استعمال کئے تھے، نواز شریف نے جنہیں 26 فیصد ووٹروں میں سے 14 فیصد ووٹروں نے ووٹ دیا تھا مگر دوتہائی اکثریت ملنے والے مینڈیٹ کو نہیں سنبھال سکے اور اسی اُکھاڑ پچھاڑ میں اپنے ہی لائے ہوئے کمانڈر ان چیف کے ہاتھوں حکومت کھو بیٹھے۔

تقریباً تین سال کے بعد میں اپنے کاروبار کی طرف دوبارہ توجہ دی اور سیاست سے کنارہ کش ہوگیا۔ مگر پھر بھی سیاست کی عادت نہیں چھوٹتی تھی لہٰذا دل کا غبار نکالنے کے لئے میں نے جنگ اخبار میں کالم لکھنا شروع کردیا کہ کسی طرح تو دل کا حال اپنے دوستوں اور عوام سے شیئر کرسکوں جب کالم لکھنا شروع کیا تو میں نے محسوس کیا کہ ہر کالم نویس اپنے انداز میں جس پارٹی سے ہمدردی رکھتا ہے اس کے لئے وہ لکھتا ہے۔ اور اُسی کی تعریفیں کرتا ہے، اُسی کے لئے ضروری سمجھتا ہے اور اُس کے مخالف سیاسی جماعت کا نکتۂ نظر ہمیشہ منفی ہی لکھتا ہے۔ گویا اُس سیاسی جماعت کی چھاپ لگ جاتی ہے۔ اگر وہ پی پی پی کا ہمدرد ہے تو اُسے پی پی پی کی صرف اچھائیاں نظر آئیں گی۔

پی پی پی کی برائیوں سے اُس کو کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اگر وہ مسلم لیگ کا ہمدرد ہے تو مسلم لیگ یعنی نواز شریف کی تعریفوں کے وہ پل باندھے گا۔ اگر جماعت اسلامی سے اُس کو محبت ہے تو وہ جماعت کی پالیسیوں کی حمایت کرے گا۔ میں نے سوچا میں کوئی پیشہ ور کالم نگار تو نہیں ہوں لہٰذا میرا کالم بالکل غیر جانب دار ہونا چاہئے پھر کالم نگار اچھائی یا برائی پر ہی اپنا

کالم ختم کر لیتے ہیں۔ کبھی کسی کالم نگار نے الّا ماشاء اللہ بیماری کی نشاندہی تو کر دی مگر کبھی حل پیش نہیں کیا۔ لہٰذا میں نے ہمیشہ اپنے کالم میں خرابی کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ اُس کا حل بھی پیش کیا ۔ میرے کالم میں کبھی بھی جانبداری کا عنصر نہیں ہوتا تجزیہ نگاری پارٹی کی ریمارکس پر نہیں ہوتا بلکہ اگر مسلم لیگ کوئی اچھا کام کرے تو اس کا کریڈٹ اس کو ملنا چاہئے اسی طرح اگر پی پی پی یا جماعت یا کوئی بھی سیاسی جماعت اچھا کام کرے تو اچھا کہنا چاہئے اور غلط کام کرے تو اس کی نشاندہی کرنی چاہئے۔ اور اُس کا حل بھی پیش ہونا چاہئے۔

میرے کالم دراصل 14 کروڑ عوام کی آواز ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی طبقہ کے ہوں ہر معاملات میں میں نے کالم نگاری کی ہے۔ سیاست سے ہٹ کر بھی میں نے کالم لکھے چاہے وہ معاشیات ہو، چاہے وہ تعلیم ہو یا کھیل کا میدان ہو، یا حج وعمرہ کے مسائل میرے قلم کی زد میں رہے ہیں۔ غیر ممالک میں جا کر میں نے کیا دیکھا وہ تحریر کر دیا، دنیا کیسے ترقی کر رہی ہے۔ اور ہم کہاں جا رہے ہیں ہمیشہ بے لاگ تبصرہ کیا۔ نہ میں کسی سے ذاتی مخالفت رکھتا ہوں اور نہ ہی ذاتی خوشی کے خاطر اُس کے حق میں لکھوں گا۔ صحیح بات لکھنے کی کوشش کی۔ اور وہ بھی عوام کی آسان زبان میں سمجھانے کی میری عادت رہی کبھی کبھی لطائف کا سہارا بھی لیتا ہوں کہ قارئین پر بوجھ نہ بنوں۔ ہر مرتبہ حالات کے مطابق موضوع تلاش کرتا ہوں ۔ اگر کسی ہفتے اچھا موضوع نہیں ملا تو میں کالم نہیں لکھتا۔ غیر ممالک یا پاکستان کے دوسرے شہر میں بھی اگر جاؤں تو کالم لکھ لیتا ہوں، بشرطیکہ موضوع اچھا ہو۔ عوام کی تکالیف کا ذکر میرے کالم میں آپ اکثر محسوس کریں گے۔ کبھی سخت زبان استعمال نہیں کرتا خود کو عقلِ کُل ثابت نہیں کرتا بلکہ اچھے اور مناسب الفاظ میں اپنا مفہوم سمجھاتا ہوں۔ مجھے میرے قارئین خطوط ہی نہیں لکھتے بلکہ بالمصافحہ مل کر بہت سے مسائل بھی بیان کرتے ہیں۔

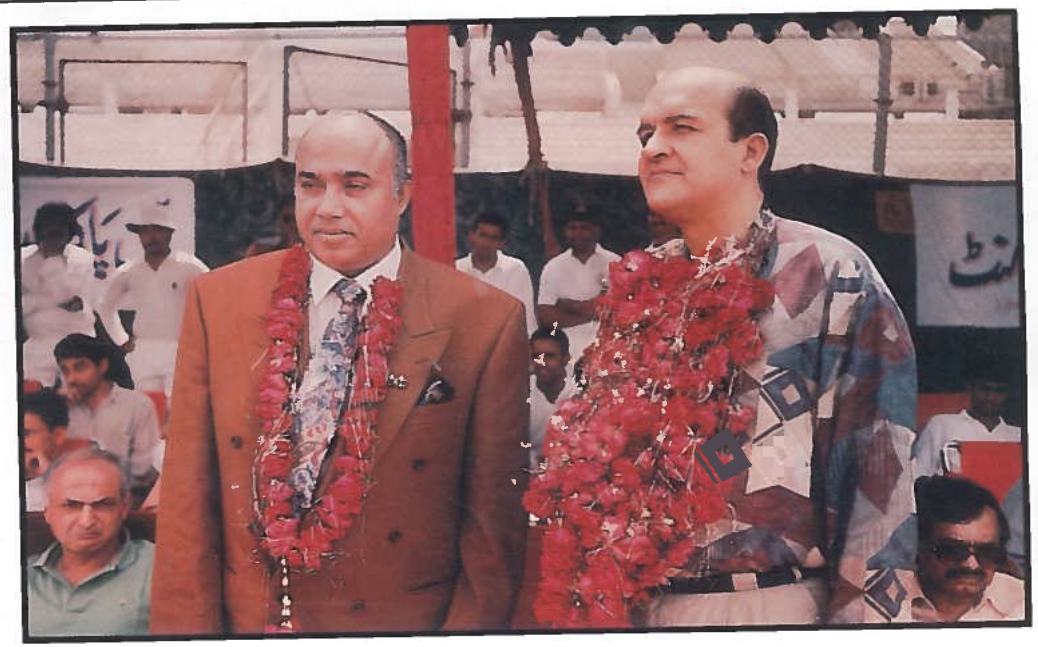

میر خلیل الرحمٰن کرکٹ ٹورنامنٹ کا افتتاح کر رہے ہیں، خلیل احمد نینی تال والا اور میر جاوید الرحمٰن ہمراہ ہیں۔

میر خلیل الرحمٰن کرکٹ ٹورنامنٹ کے موقع پر خلیل احمد نینی تال والا، جنید خلیل اور دیگر افراد کے ساتھ میچ دیکھ رہے ہیں۔

انشاءاللہ کالم نگاری میری رگوں میں اب رچ بس گئی ہے۔ کالم لکھ کر اپنا بوجھ ہلکا کر لیا کرتا ہوں۔ اگر نہ لکھوں تو تشنگی رہتی ہے۔ تعجب ہوتا ہے، جو کالم میں ڈھائی تین گھنٹوں میں جا کر لکھ پاتا ہوں وہ کالم میرے قارئین صرف دس منٹ میں ختم کر دیتے ہیں۔ جب کالم لکھ کر اُٹھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ میں نے بوجھ ہلکا کر لیا اور عوام کو زبان مل گئی۔ افسوس ہمارے کالم نگار ہمیشہ وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہیں مگر ہمارے حکمران اپنی آنکھیں بند رکھتے ہیں۔

نہ ہی کوئی تنقید وہ برداشت کرتے ہیں۔ پہلے تو کالم چھپ نہیں سکتے تھے مگر ضیاء الحق کی حکومت ختم ہونے کے بعد صحافت کافی حد تک آزاد کر دی گئی۔ وقفہ وقفہ سے مخالفین کو سیاسی بغض و غبار کی وجہ سے دبایا جاتا رہا۔ اگر پی پی پی کی چیئر پرسن محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ اور مسلم لیگ کے صدر نواز شریف صاحب ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور سیاسی میدان میں روڑے اٹکانے کے بجائے ایک دوسرے سے حقیقی حذبِ اقتدار اور حذبِ اختلاف والا کردار اپناتے تو ہماری سیاست کی ٹرین ضیاء الحق کے مارشل لاء کے خاتمے کے بعد صحیح سمت روانہ ہو جاتی اور اس طرح دو دو بار ان دونوں سیاسی حکومتوں کو کوئی بھی نہیں توڑتا۔ افسوس دونوں نے مارشل لاء کے جانے کا فائدہ نہیں اُٹھایا اور پارٹی مفاد کو سب سے آگے رکھا۔ بعض ادوار میں تو ذاتی مفادات میں دونوں نے بڑے بڑے الزامات کا سامنا کیا چاہے نواز شریف کا رائے ونڈ والا محل ہو یا بے نظیر صاحبہ کا سرے والا محل ہو عوام کی دولت کو لوٹنے کے الزامات دونوں ہی کے حصے میں آئے۔ اور افسوس دونوں ہی ان محلوں کو ذاتی استعمال میں نہیں لا سکے۔ پھر کیا فائدہ ایسی بدنامیوں کے ہار پہننے سے تو بہتر تھا کہ جب دونوں کی پہلی پہلی حکومتیں ختم ہوئیں تھیں تو کم از کم اُس سے ہی سبق لیا ہوتا، آج دونوں ہی پاکستان اور پاکستان کی سیاست سے باہر کر دیئے گئے۔ دونوں ہی کے نمائندے سرکاری مسلم لیگ میں شامل ہو گئے یا شامل کر دیئے گئے۔ "حجاج بن یوسف نے کہا تھا! کہ سیاست کی کوکھ بانجھ ہوتی ہے۔ اور سیاستدانوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا"۔ آج پاکستان کی سیاست نے یہ سچ قول ثابت کر دیا ہے کہ وہ چاہے اسکندر مرزا کو سلوٹ کرنے والے ایوب خان ہوں، ایوب خان کو سلوٹ کرنے والے یحییٰ خان ہوں، یحییٰ خان کو سلام کرنے والے ذوالفقار علی بھٹو ہوں، ذوالفقار علی بھٹو کو سلام کرنے والے ضیاء الحق ہوں اور آخر میں نواز شریف کو سلوٹ کرنے والے پرویز مشرف ہوں یہ تسلسل اس بات کی دلیل ہے کہ جس کو جب حکومت ملی وہ اُسی کی لاش پر چڑھ کر مسند اقتدار پر بیٹھ گیا اور اُس وقت تک نہیں اُترا جب تک اس کی جان میں جان رہی۔ کاش خدا قائداعظم کے پاکستان میں ایک قائداعظم اور پیدا کر دے جو صرف نعرہ کی حد تک پہلے پاکستان نہیں عوام کی حد تک پہلے پاکستان کا پاکستان بنا دے تا کہ عوام سکون کا سانس لے سکیں۔ ان کالموں پر مشتمل تین کتابیں شگوفۂ نو، گردشِ ایام اور حالات و واقعات بھی تصنیف کی جا چکی ہیں۔

مشاہدات:

قارئین کرام بیس سالہ سیاسی مشاہدات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہمارے ملک کی سیاست سو فیصد ذاتی انا اور فنا کا نمونہ ہے۔ جس میں جائز اور ناجائز کوئی معنی نہیں رکھتے جس کا جہاں بس چلا اُس نے کمزور کو گرا لیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد جو میں نے سیاسی اتار چڑھاؤ دیکھا اگر یحییٰ خان، شیخ مجیب الرحمٰن کو خاموشی سے اقتدار منتقل کر دیتا تو آج نہ ہمارے ملک میں مارشل لاء لگتا اور نہ ہی پاکستان دولخت ہوتا۔ مہاجرین جب ہندوستان سے ہجرت کر کے صوبہ سندھ میں آئے تو انہوں نے سندھی بھائیوں کے جذبات کی قدر نہیں کی، نہ انکی زبان اپنائی، نہ تہذیب و ثقافت پر توجہ دی جس کی وجہ سے دونوں کے راستے الگ ہی رہے۔ پاکستان کو 70 فیصد آمدنی صوبہ سندھ سے حاصل ہوتی ہے۔ جس میں 68 فیصد اردو بولنے والے شہری علاقوں سے جمع کی جاتی ہے۔ میں نے جب مشیر اطلاعات سندھ کا عہدہ سنبھالا تو پہلی کیبنٹ میٹنگ جو سندھ سیکریٹریٹ میں وزیرِ اعلیٰ کی صدارت میں منعقد ہوئی تو ماضی کے تمام 17 وزرائے اعلیٰ کے فوٹو اس میٹنگ ہال میں لگے ہوئے تھے۔ تو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ ایک بھی اردو بولنے والا سندھ کا وزیرِ اعلیٰ نہیں بنا اور آج تک یہ روایت قائم و دائم ہے۔ حالانکہ اگر صحیح رائے شماری کرائی جائے تو اس صوبہ میں غیر سندھی بولنے والوں کی تعداد اب سندھی بولنے والوں سے زیادہ ہو چکی ہے۔ اگر نہ بھی ہو تو بھی اردو بولنے والا میرٹ پر کیوں وزیرِ اعلیٰ نہیں بنایا گیا۔ جس کی وجہ سے بھی یہ اردو سندھی فسادات ہوتے رہے ہیں۔ جس طرح ہم نے بنگال کا وزیرِ اعظم نہ قبول کرنے پر ملک کو دولخت کر دیا اسی طرح اردو بولنے والوں کی حق تلفی ختم ہو جانی چاہئے۔ جس طرح سرائیکی بولنے والے بھی احساسِ محرومی کا شکار ہیں۔ اردو بولنے والے تو بہت پہلے ہی سے عملی شکار ہیں۔ کبھی کبھی اردو بولنے والے کو اسپیکر یا گورنر سندھ بنا دیا جاتا ہے۔ مگر وہ وزیرِ اعلیٰ کے ہی زیرِ دست رہتا ہے۔ اگر باری باری ایک کو گورنر اور دوسرے کو وزیرِ اعلیٰ بنانے کا طریقہ اپنایا گیا تو یقیناً یہ ایک خیر سگالی کی راہ ہموار کرے گا۔ کیونکہ عملی طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ مردم شماری کے وقت اندرونِ سندھ کے گوٹھوں میں بڑھا چڑھا کر آبادی دکھائی جاتی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں سندھیوں کی تعداد اردو بولنے والوں سے زیادہ ہے مگر حقیقت یہ نہیں ہے۔ اسی طرح سندھ حکومت میں نوکریاں بھی آبادی کے لحاظ سے تقسیم نہیں کی گئی ہیں۔ 90 فیصد نوکریاں اگر دیکھی جائیں تو سندھی بولنے والوں کی ہیں اگر یقین نہ آئے تو سندھ سیکریٹریٹ جا کر تصدیق کی جا سکتی ہے۔ یہی حال

خلیل احمد نینی تال والا اپنی کتاب *شگوفۂ نو* کی رونمائی کے دوران اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں
ساتھ میں جناب معین الدین حیدر اور دیگر مہمانانِ گرامی اس تقریب میں موجود ہیں۔

خلیل احمد نینی تال والا کا اُن کی کتاب * گردشِ ایام * کی تقریب رونمائی کے دوران جناب معین الدین حیدر، سلمان خلیل، خرم خلیل،
جنید خلیل، ذیشان الطاف، حنیف بلّو، حکیم ناصر، سجّاد میر اور دیگر مہمانوں کے ساتھ لیا گیا ایک گروپ فوٹو۔

خلیل احمد نینی تال والا اپنی کتاب *شگوفۂ نو* جناب معین الدین حیدر کو پیش کر رہے ہیں۔

خلیل احمد نینی تال والا اپنی کتاب * گردشِ ایام * معین الدین حیدر کو پیش کر رہے ہیں۔

خلیل احمد نینی تال والا اپنی کتاب *حالات وواقعات* کی رونمائی کے دوران وفاقی وزیرِ اطلاعات ونشریات جناب شیخ رشید احمد، جناب سجاد میر، جناب منیر حسین، وائس چانسلر جناب ڈاکٹر سعید سیفی اور ایس ایم منیر کے ہمراہ۔

خلیل احمد نینی تال والا اپنی کتاب *حالات وواقعات* جناب شیخ رشید کو پیش کر رہے ہیں۔

پولیس کے محکمہ کا ہے مغربی اور مشرقی پاکستان کے ون یونٹ کے وقت پولیس کا ہیڈکوارٹر لاہور تھا جو آج تک ہے اور تمام بڑے عہدے وہیں سے نامزد کیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہماری پولیس سندھ پولیس نہیں ہے تو غلط نہیں ہوگا۔ اکثر آپ نے اخبار میں پڑھا ہو گا فلاں پولیس والا مارا گیا۔ اس کی لاش صوبۂ پنجاب یا صوبہ ٔسرحد لے جائی گئی۔ آدھے پولیس والے تو پنجاب ہی سے ٹرانسفر کروا کر کراچی میں مال بنا رہے ہیں۔

اسی وجہ سے کراچی کا لاء اینڈ آرڈر ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ لگتا ہے کہ وہ پولیس والوں کے لئے دبئی سے کم نہیں ہے۔ کراچی کے نوجوانوں کو آگے لایا جائے ان کی بھرتی کی جائے پولیس کی تنخواہ اور پاور میں تناسب پیدا کیا جائے۔ تنخواہ اتنی قلیل کہ ایک بچے کو بھی تعلیم نہیں دی جاسکتی ہے۔ اور پاور اتنی کہ جس کو چاہے بند کردے اور چھوڑ دے۔ اسی وجہ سے کراچی کے نوجوانوں میں اسلحہٗ کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے۔ گاڑیاں چھیننا یا لوٹ مار کرنا اب ایک معمول کا حصّہ بن گیا ہے۔ اغواء برائے تاوان کی وباء پھر دوبارہ پھیل رہی ہے یہ سب بے روزگاری اور نوکریوں کی غیر منصفانہ تقسیم کا ردّ عمل ہے۔ اس کو اگر نہیں روکا گیا تو ہمارا معاشی منصوبہ اس کی نظر ہو جائے گا۔ میرے خیال میں اگر پاکستان کو حقیقی ترقی دینا مقصود ہو تو اس ملک کو ڈویژن کی سطح پر یعنی پاکستان کے 17 صوبے بنا دینے سے یہ فرق بھی ختم ہو جائیگا۔

پوری دنیا میں جہاں جہاں آبادیاں بڑھی ہیں وہاں وہاں صوبوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ مگر ہمارے ملک میں جب کوئی صوبوں کو بڑھانے کی بات کرتا ہے تو اُس پر غداری کا الزام لگ جاتا ہے۔ اگر وسائل کی تقسیم منصفانہ ہوگی تو کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ مثلاً صوبہ ٔسرحد بجلی پیدا کرتا ہے۔ اُس کا بڑا حصّہ اس کو ملنا چاہئے۔ بلوچستان میں معدنیات اور گیس پیدا ہوتی ہے اُسی لحاظ سے اس صوبہ کو ہی اس میں بڑا حصّہ ملنا چاہئے۔ پنجاب اجناس پیدا کرتا ہے اس کا حق ہے کہ وہ اس میں اپنا حصّہ ضرور لے۔ سندھ سب سے زیادہ محصول ادا کرتا ہے تو پھر یہاں سے وصول کیا ہوا محصول کہاں جاتا ہے یہ سب احساسِ محرومی کو بڑھاتی ہے۔ اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ پاکستان ایک گلدستہ کا نام ہے جس میں اگر تمام پھولوں کی خوشبوؤں اور رنگوں کو سمیٹ کر جمع کر دیئے جائیں تو کتنے خوبصورت لگتے ہیں۔ ہمارا ہر صوبہ کسی نہ کسی چیز میں خود کفیل ہے مگر ہم اُسی کی حق تلفی کر کے اس کو کمزور کر رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نظرِ بد سے بچائے اور آپس میں بھائی چارہ والی فضاء میں پاکستان کو ترقی سے ہمکنار کرے۔

(آمین)

جب میں سندھ گورنمنٹ میں مشیر اطلاعات تھا تو کاروباری سلسلہ میں ڈھاکہ جانا ہوا ۔ وہاں مجھے نسیم خان کے ساتھ بہاریوں کے میر پور اور آدم جی جوٹ ملز کے کیمپوں میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ ان کیمپوں میں رہنے والوں کی حالت اتنی خراب تھی کہ چند منٹ بھی وہاں ٹھہرنا ناممکن تھا۔ اتنی بد بو آرہی تھی کہ انسان تو انسان شاید جانور بھی وہاں نہیں ٹھہرے گا۔ جبکہ یہ مصیبت زدگان جن کو نہ بنگلہ دیش قبول کرتا ہے، نہ پاکستان انکو اپنے ملک میں آباد کرنے کے لئے تیار ہے۔ ایک نسل ختم ہو چکی ہے دوسری نسل جوان ہوگئی ہے۔ ان کا کیا مستقبل ہوگا؟ یہ کسی کو نہیں معلوم کہ وہ پاکستان جاسکیں گے یا نہیں جاسکیں گے۔ غربت وافلاس، جہالت، بیماریاں ان کے حصے میں آئی ہیں۔ عیسائی مشنریاں اُنکے پیچھے پڑی ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو اپنا مذہب تبدیل کر کے ان سے گلو خلاصی کرا سکتے ہیں۔ مگر وہ سب پاکستان کے جھنڈے سے چمٹے ہوئے ہیں ان کی آخری اُمید صرف اور صرف پاکستان ہے۔ ادھر ہم ان کو پاکستانی ہی نہیں مانتے ،33 سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ہر روز انکی اُمیدیں کم ہو رہی ہیں۔ اب نہ جانے وہ کیا سوچتے ہونگے کاش ہم ان مسلمان بھائیوں کو نئی زندگی دے دیں۔

قارئین میری کتاب کا عنوان " کاش میں سیاست میں نہ آتا " اس کی وجہ یہ ہے کہ الحمدللہ میں نے سیاست میں کبھی بھی کوئی ذاتی فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اگر حقیقت کی نظر سے اس کا تجزیہ کیا جائے تو اپنا کاروبار ہی متأثر کیا۔ گھر والوں کو وقت نہیں دے سکا۔ ڈیڑھ سال تک فیکٹری بند پڑی رہی۔ بار بار لائسنس منسوخ کئے جاتے رہے۔ غیر ممالک کے دورے بہت کم ہو گئے تھے۔ حکومت اور انتظامیہ کی نظر میں ہمیشہ معتوب رہا، اب گذشتہ دس سال سے سیاست چھوڑی تو کاروبار کی طرف دھیان دیا ہمیشہ حلال روزی کمائی۔ سیاست اپنی جیب پر کی۔ کسی دوسرے سے توقع نہیں کی، آج الحمدللہ کاروبار بھی ترقی کر رہا ہے۔ سیاست کے بجائے سماجی کاموں میں حصہ لیتا ہوں۔ میرے ادارے ہمیشہ کھیلوں اور سماجی اداروں سے زیادہ سے زیادہ تعاون کرتے ہیں۔ اس سے ہمارے ادارے کو کوئی مالی فائدہ بھی نہیں پہنچتا بلکہ اس کے لئے ذرائع ابلاغ سے ہم اشتہارات پر خرچ کر کے آگے بڑھاتے ہیں البتہ ان اداروں سے تعاون کر کے دل کو خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے نوجوان کھیلوں کے میدان میں ہی رہیں۔ سب سے زیادہ مجھے پاکستان کی ایک منفرد تعلیمی درسگاہ " کے۔ این۔ اکیڈمی " بنا کر بہت خوشی ہوئی ہے۔

یہ ایک یادگار خوبصورت ترین درسگاہ ہے جو بغیر نفع ونقصان کی بنیاد پر بغیر کسی سے کوئی چندہ لئے میری فیملی کی ملکیت ہے جہاں ایشیا کا سب سے خوبصورت ترین ہوسٹل ، لائبریری، آڈیٹوریم، جمنیزیم ، کلاس روم ، مسجد ، چڑیا گھر، کرکٹ اور فٹبال گراؤنڈ سب ہی شامل ہے۔ اس ادارے میں جب جاتا ہوں تو اپنا ماضی یاد آتا ہے کہ ہم نے بغیر وسائل کے ٹوٹے پھوٹے فرنیچروں پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کی۔ آج اللہ نے ہم کو اگر دولت دی ہے تو اس ملک کا ہم پر قرض ہے اس کو اتارنا بھی ہمارا فرض ہے۔ کاش یہ خیال مجھے سیاست میں حصہ لینے کے وقت یاد آجاتا تو آج ہر شہر اور گاؤں میں یہ درسگاہیں قائم ہو چکی ہوتیں۔ میرے بچے اس سے فائدہ اُٹھا رہے ہوتے اس وقت تین سال کے قلیل عرصہ میں ، میں کیمپس کے علاوہ دو برانچیں بھی کھول چکا ہوں ۔ آگے اللہ کی مدد شاملِ حال رہی تو انشاء اللہ یہ سلسلہ آگے بڑھاتا رہوں گا۔ سیاست ایک نشہ ہے جو چھوٹے نہیں چھوٹتی۔ میرے بچوں کو بھی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لہذا اُمید ہے کہ سیاست اب ہمارے گھر میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکے گی۔ میں ہمیشہ اپنی کتابوں کی آمدنی کراچی میں قائم ایک معذور بچوں کا ادارہ" دارالسکون " کشمیر روڈ کو دیتا ہوں یہ واقعی اسپیشل بچوں کی جنت ہے آپ بھی اس کا دورہ کر کے اس ادارے کی مدد کریں ، انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اس کار خیر میں اجر عظیم عطا کرے گا۔

(آمین)

کے۔این۔اکیڈمی کا تعارف اور سنگِ بنیاد:

خلیل نینی تال والا ایجوکیشن سوسائٹی 1999ء میں قائم کی گئی جس کا مقصد صوبہ سندھ میں پہلا ہاسٹل اور تعلیمی ادارہ ساتھ ساتھ قائم کیا جائے کیونکہ کراچی میں ایک بھی ادارہ ایسا نہیں تھا جو یہ تعلیم کے ساتھ رہائش بھی مہیا کرتا ہو، جس کی وجہ سے سندھ کے طالبِ علموں کو دور دور مقامات پر جا کر تعلیم حاصل کرنی پڑتی۔ والدین بھی پریشان رہتے تھے۔ کیونکہ سندھ کا موسم مری، پنجاب، سرحد اور بلوچستان سے مختلف ہوتا تھا کراچی کے لڑکے دوسرے صوبوں میں مشکل ہی سے ایڈجسٹ ہوتے ہیں کیونکہ تعلیمی معیار، رہن سہن، کھانے پینے کے طور طریقے دوسرے صوبوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لئے پھر وہ غیر ممالک کا رُخ کرتے تھے۔ اس میں برطانیہ اور امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا سرِ فہرست تھا۔ 90 فیصد طلباء تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہیں رُک جاتے تھے۔ اُن کے والدین اس لئے بھی شاکی ہوتے تھے کہ وہ وہاں کی لڑکیوں کے چنگل میں پھنس کر شادی کر بیٹھتے تھے۔ جو بعد میں طلاق اور علیحدگی کی صورت اختیار کر جاتی تھی۔ اُن سے ہونے والی اولادیں نہ وہاں کا کلچر اپناتی نہ پاکستان کا کلچر باقی رہتا، انکی زندگی عذاب میں گزرتی ہے۔ اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بغیر نفع و نقصان کی بنیاد (No Profit / No Loss) پر یہ ادارہ قائم کیا۔

اور اسطرح کے ۔ این ۔ اکیڈمی کی فروری 1999ء میں بنیاد رکھی گئی اور الحمدللہ صرف ڈیڑھ سال کے عرصہ میں یہ درسگاہ، کلاس روم، ہاسٹل لائبریری، مسجد، چڑیا گھر ان تمام سہولیات کو مکمل کر کے اگست 2000ء میں پہلی سے سات جماعت تک او لیول (O-level) کے لئے کلاسیں شروع کر دیں۔ یہ بھی ایک تاریخی ریکارڈ ہے اتنے کم عرصہ میں 5 عمارتیں مکمل کیں بعد میں ایک سال کے عرصہ میں 1000 افراد کی گنجائش کا آڈیٹوریم، سوئمنگ پول، جمنیزیم، انڈور آؤٹ ڈور میدان برائے کرکٹ، فٹبال، ہاکی اور 5 لیبارٹریز تعمیر کر دی گئیں۔ اس کے۔این۔اکیڈمی کو برٹش کونسل کے تعلیمی نظام کیمبرج سسٹم سے او اینڈ اے لیول (O & A Level) منسلک کر دیا۔ اس اکیڈمی کو دیکھنے کے لئے اب تک ہزاروں تعلیم سے منسلک افراد وزٹ کر چکے ہیں ان میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بانی محترم ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب سرِ فہرست ہیں، جنہوں نے مہمانوں کی کتاب (Visitor Book) میں اپنے خیالات کا اظہار اس آخری جملے سے کیا کہ میں نے ایسی خوبصورت تعلیمی درسگاہ نہیں دیکھی اگر مجھے دوبارہ دنیا میں لایا گیا تو میں کے۔این۔اکیڈمی میں تعلیم حاصل کرنے میں فخر محسوس کرونگا۔

کے۔این۔اکیڈمی کے خوبصورت ترین منظر کا لیا گیا ایک فوٹو۔

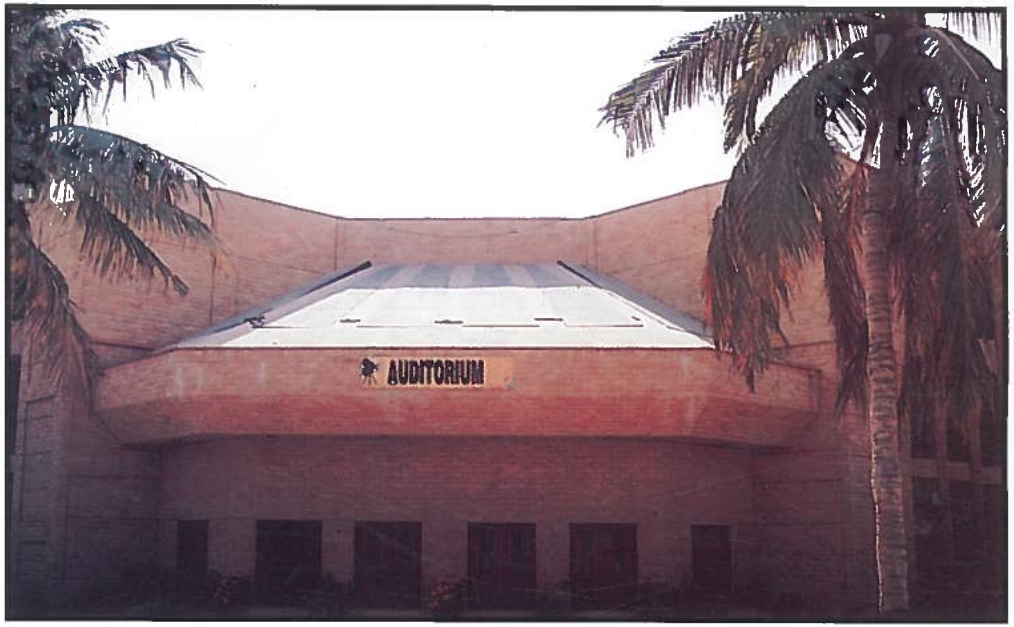

کے این اکیڈمی کے آڈیٹوریم کا ایک منظر۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر بچے پھول نچھاور کر رہے ہیں۔

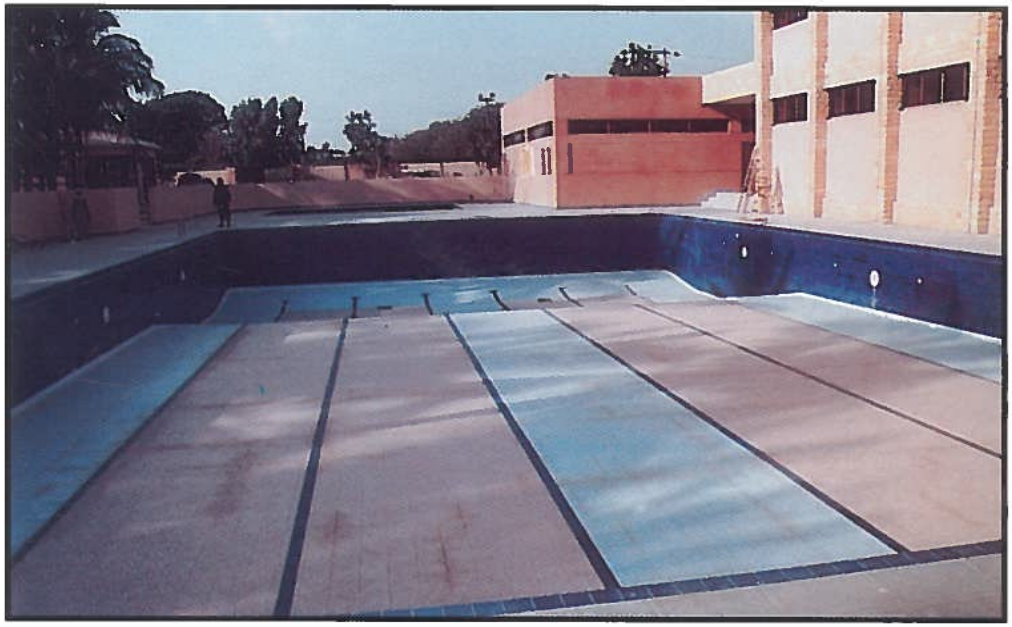

کے این اکیڈمی میں سوئمنگ پول کا ایک منظر۔

کے این اکیڈمی کی ایک طالبہ جناب عبدالقدیر کو پھولوں کا گلدستہ پیش کر رہی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان خود اپنے ہاتھ سے پودا لگا رہے ہیں، چیئرمین خلیل احمد نینی تال والا اور جنید خلیل بھی اس موقع پر موجود ہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو عارف ڈوسل آڈیو ویڈیو لائبریری کی تفصیلات بتا رہے ہیں۔

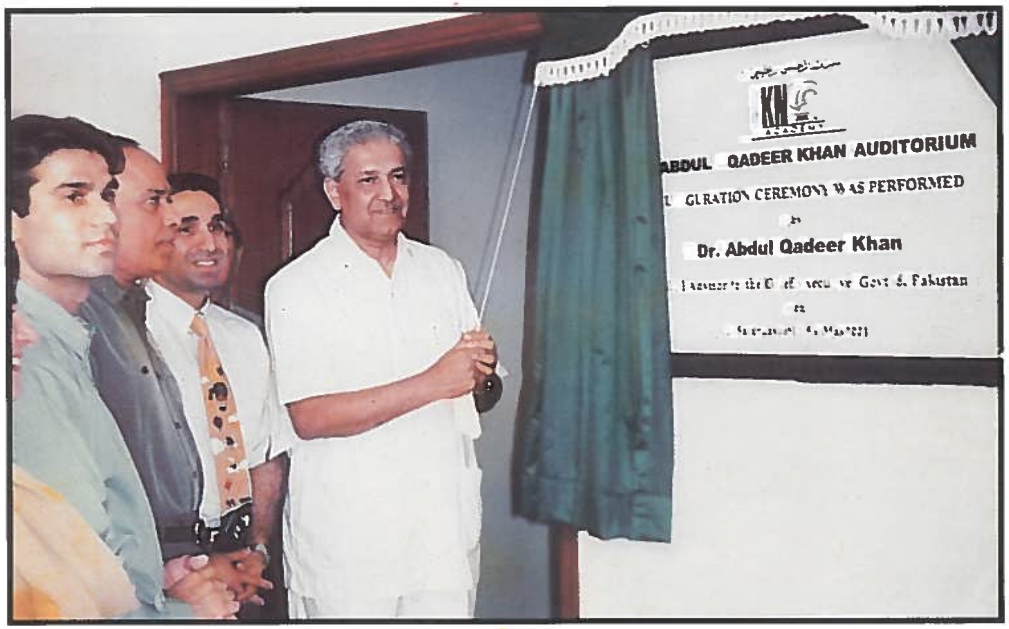

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے این اکیڈمی میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان آڈیٹوریم کا افتتاح کر رہے ہیں۔

چیئرمین کے این اکیڈمی خلیل احمد نینی تال والا ہمارے سدا بہار قومی ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کو کے این اکیڈمی کا ماڈل دکھا رہے ہیں۔

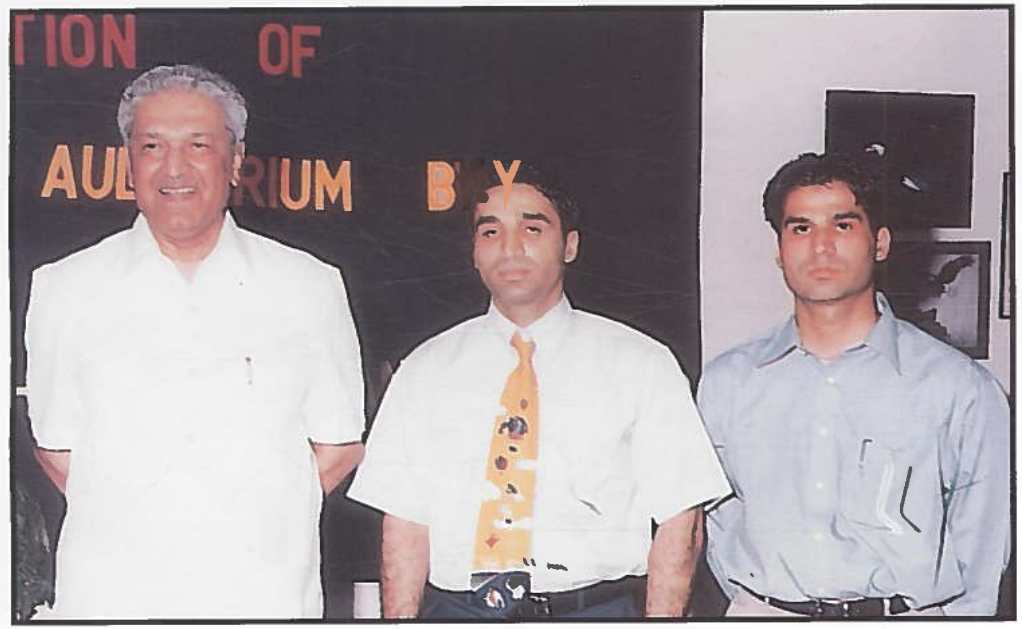

کے این اکیڈمی آڈیٹوریئم کے دورے پر ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا خرم خلیل، جنید خلیل کے ہمراہ لیا گیا ایک گروپ فوٹو۔

خلیل احمد نینی تال والا ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو اکیڈمی کا یادگار نشان پیش کر رہے ہیں، خرم خلیل، جنید خلیل اور مس طارق الماس بھی موجود ہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے این اکیڈمی کے سوئمنگ پول کے طرف جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے این اکیڈمی میں سوئمنگ اسٹوڈینٹ کے ہمراہ۔

(چیئرمین کے این اکیڈمی) خلیل احمد نینی تال والا جناب معین الدین حیدر کا استقبال کر رہے ہیں۔

معین الدین حیدر کے این اکیڈمی لائبریری کا افتتاح کر رہے ہیں۔

معین الدّین حیدر کے۔این۔اکیڈمی میں پودا لگا رہے ہیں۔

معین الدین حیدر کے این اکیڈمی لیبارٹری کا معائنہ کر رہے ہیں۔

معین الدین حیدر کو ہاسٹل سے متعلق کے این اکیڈمی کی مس طارق الماس تفصیلات سے آگاہ کر رہی ہیں۔

جناب معین الدین حیدر کے این اکیڈمی میں پوسٹر نمائش کا معائنہ کر رہے ہیں۔

معین الدین حیدر کے این اکیڈمی کے کلاس روم میں ٹیچروں سے گفتگو کر رہے ہیں۔

معین الدین حیدر کے این اکیڈمی میں پودا لگا کر واپس جا رہے ہیں، خلیل احمد نینی تال والا اور وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی ڈاکٹر سعید سیفی بھی ہمراہ ہیں۔

جناب معین الدین حیدر کے این اکیڈمی کے ہاسٹل کا معائنہ کر رہے ہیں، خلیل احمد نینی تال والا، خرم خلیل، جنید خلیل بھی ہمراہ ہیں۔

وزیر داخلہ معین الدین حیدر خلیل احمد نینی تال والا کے ہمراہ کے این اکیڈمی کا دورہ کر رہے ہیں دوسری جانب جناب شیخ الجامعہ ڈاکٹر ظفر سعید سیفی بھی اُن کے ہمراہ ہیں۔

معین الدین حیدر بچوں کے چڑیا گھر کا معائنہ کر رہے ہیں۔

معین الدین حیدر صاحب کرکٹ کے میدان کا معائنہ کر رہے ہیں، حنیف بلّو بھی ہمراہ ہیں۔

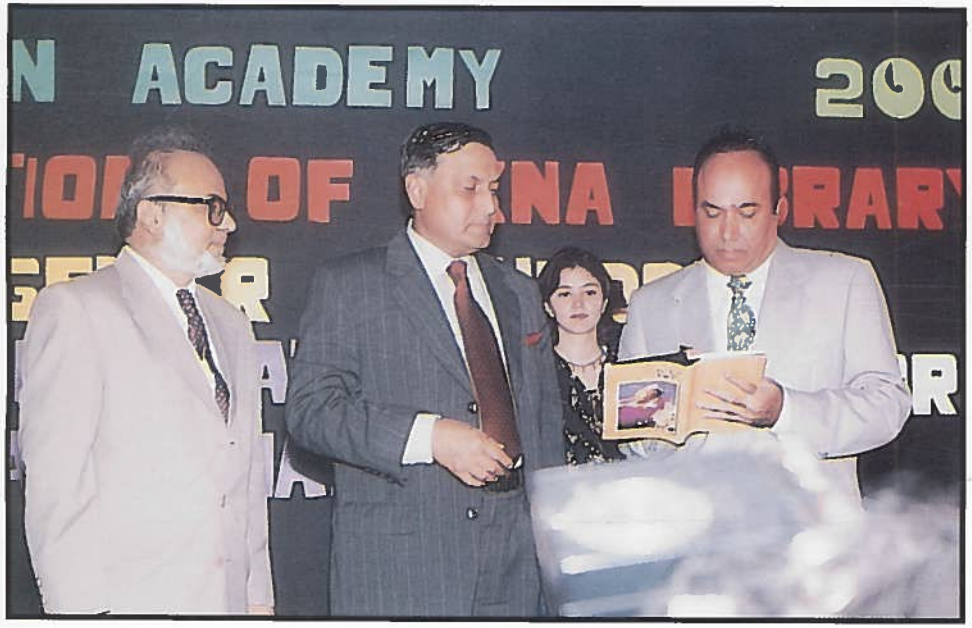

خلیل احمد نینی تال والا جناب معین الدین حیدر کو اپنی کتاب * گردشِ ایام * میں اپنا دستخط کر کے دے رہے ہیں۔

وزیرِ داخلہ جناب معین الدین حیدر اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔

خلیل احمد نینی تال والا معین الدین حیدر کو کے این اکیڈمی کی شیلڈ پیش کر رہے ہیں، محمد الیاس نینی تال والا بھی ہمراہ ہیں۔

وائس چانسلر جناب ڈاکٹر ظفر سعید سیفی صاحب، خلیل احمد نینی تال والا کی کتاب کردش ایام کی خصوصی کاپی وصول کر رہے ہیں۔

چیف وارڈن (ر) میجر محمد اقبال جناب معین الدین حیدر کو الوداع کر رہے ہیں۔

وزیر داخلہ معین الدین حیدر کے این اکیڈمی وزٹر بک میں اپنے تاثرات پیش کر رہے ہیں۔

میجر جنرل احتشام ضمیر (جی او سی) کے این اکیڈمی روڈ کا افتتاح کرنے کے بعد اکیڈمی کا یادگار نشان وصول کر رہے ہیں۔

وزیر خزانہ سندھ عبدالحفیظ شیخ اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔

کے این اکیڈمی کے دورے کے دوران وزیرِ زراعت سندھ حسن علی چانیہو کا، خلیل احمد نینی تال والاؔ اور کوکب اقبال کے ساتھ لیا گیا ایک گروپ فوٹو۔

خلیل احمد نینی تال والاؔ سالانہ فنکشن میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔

وزیرِ زراعت سندھ حسن علی چانیہو کے این اکیڈمی میں ناریل کا پودا لگا رہے ہیں، کوکب اقبال اور خلیل احمد نینی تال والاؔ بھی ہمراہ ہیں۔

کے این اکیڈمی کے سوئمنگ پول کے سامنے سے ڈاکٹر ڈیوڈ برگ گزر رہے ہیں، ساتھ میں جنید خلیل بھی موجود ہیں۔

وکٹوریا یونیورسٹی کے ڈین ڈیوڈ برگ کا کے این اکیڈمی کی فیکلٹی کے ساتھ ایک کروپ فوٹو۔

وکٹوریا یونیورسٹی کے ڈین ڈیوڈ برگ، مس کریما کارا، پرنسپل محمد علی اور جنید خلیل کا کلاس روم کے باہر لیا گیا ایک گروپ فوٹو۔

بوہری فرقہ کے پیش روسیّدنا علی اصغر کو کے این اکیڈمی کے ننھے طلباء پھولوں کا گلدستہ پیش کر رہے ہیں۔

سیّدنا علی اصغر کے این اکیڈمی میں اپنے دستِ مبارک سے پودا لگا رہے ہیں۔

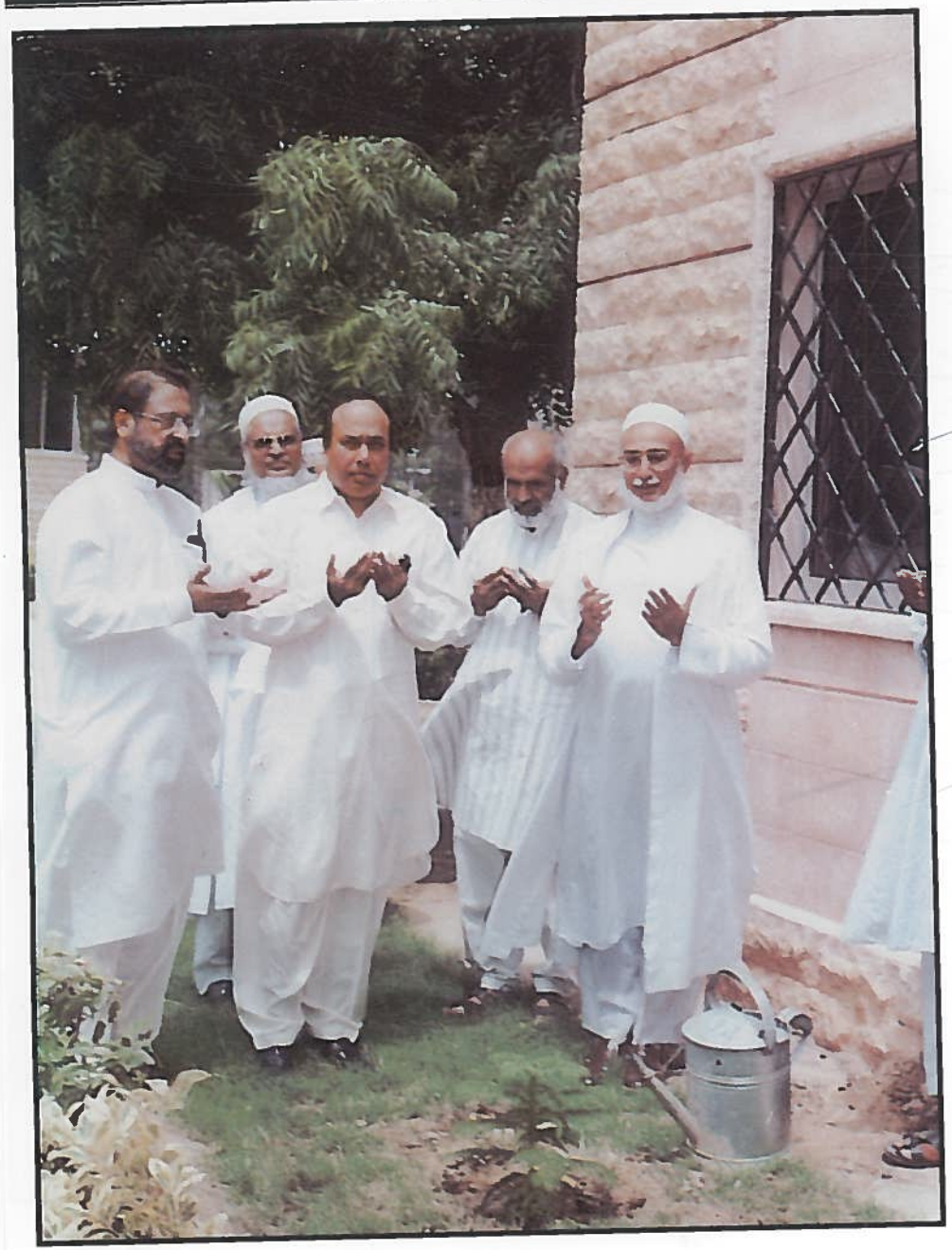

سیّدنا علی اصغر، خلیل احمد نینی تال والا اور دیگر ساتھی کے ہمراہ دعائے خیر کر رہے ہیں۔

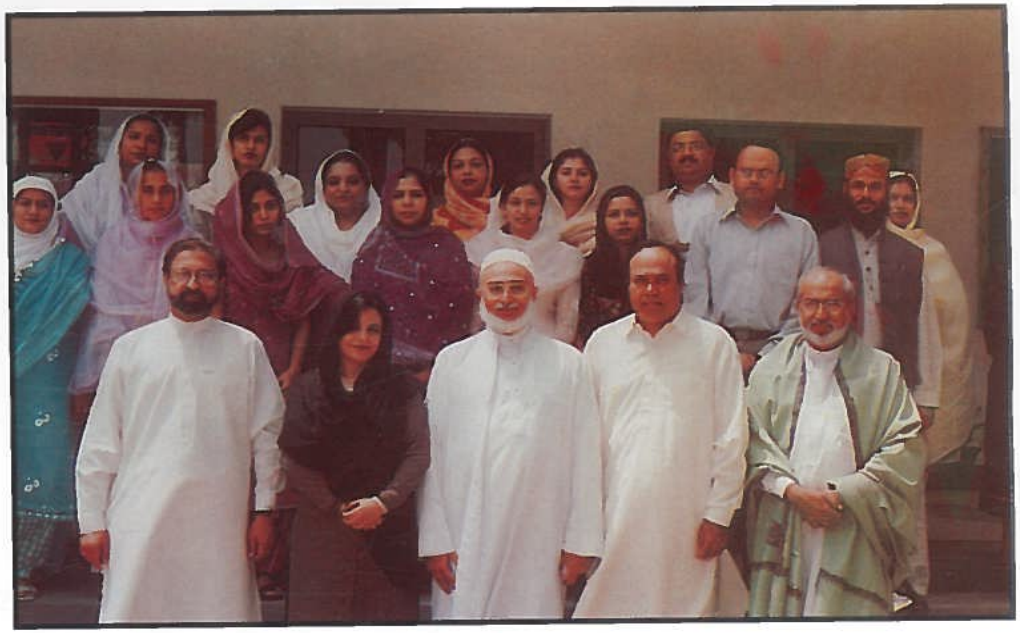

سیدنا علی اصغر، خلیل احمد نینی تال والا، اعجاز العارفین، مس طارق، عارف ڈوسل اور آل ٹیچر اسٹاف کے ساتھ لیا گیا
ایک گروپ فوٹو۔

سیّدنا علی اصغر، خلیل احمد نینی تال والا کے ہمراہ اکیڈمک بلاک سے لیباریٹری کی طرف جا رہے ہیں۔

بوہری فرقہ کے پیش رو سیّدنا علی اصغر محفلِ میلاد کے موقع پر اپنی خوش گوئی سے سامعین کو مستفید کر رہے ہیں۔

کے این اکیڈمی میں منعقدہ محفلِ میلاد کے موقع پر شریک شہزادہ سیّدنا علی اصغر، خلیل احمد نینی تال والاؔ اور اعجاز العارفین کے ساتھ تقریبِ سماعت ہیں۔

محفلِ میلاد کے موقع پر سیّدنا علی اصغر، خلیل احمد نینی تال والاؔ، اعجاز العارفین اور دیگر ساتھیوں کے ہمراہ موجود ہیں۔

خلیل احمد نینی تال والا لائبریری میں سیّدنا علی اصغر کا استقبال کر رہے ہیں، اعجاز العارفین بھی اس موقع پر موجود ہیں۔

خلیل احمد نینی تال والاؔ، سیّدنا علی اصغر کو کے این اکیڈمی کی خوبصور ت شیلڈ پیش کر رہے ہیں۔

اس طرح یہ پہلا ادارہ ہے جس میں حکومت یا کسی شخص کے امداد کے بغیر ہی درسگاہ مکمل ہوئی اور آئندہ بھی اس میں جو بھی تعمیراتی کام ہوگا انشاء اللہ ایک روپیہ بھی باہر سے نہیں لیا جائے گا۔ اور نہ ہی اس کیمپس کی آمدنی سے میرے خاندان والے ایک روپے کا بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ صرف اور صرف اللہ کی راہ کے لیئے وقف رہے گی۔ البتہ غریب، نادر طلباء اس سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ اس کی تمام آمدنی اسکالرشپ یا توسیع کے لیئے قیامت تک ہی انشاء اللہ وقف رہے گی۔ شاید یہ میرے اور میری اولاد کی نجات کا سبب بنے کی۔ اور مجھے اُمید ہے کہ میرے بعد بھی میری اولاد اس ادارے کو آگے بڑھائے گی اور تعلیم کو مزید فروغ دے کی۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

سیّدنا علی اصغر کے این اکیڈمی کی وزٹر بک میں اپنے تاثرات پیش کر رہے ہیں، اس موقع پر خلیل احمد نینی تال والا بھی ہمراہ ہیں۔

سیّدنا علی اصغر خلیل احمد نینی تال والا اور اعجاز العارفین کا لیا گیا ایک گروپ فوٹو۔

﴿ادارہ جمعیت پنجابی سوداگران دہلی رجسٹرڈ کراچی﴾

فراغت کے لمحات ملتے ہی میں نے رفاہی کاموں میں زیادہ سے زیادہ وقت دینے کا فیصلہ کیا۔

جمعیت پنجابی سوداگران دہلی میں ۱۹۹۹ء میں شمولیت اختیار کی۔ یہ ملک کا بہت بڑا دہلی برادری کا ادارہ ہے۔ جس کا کام صرف رفاہی ادارے بنا کر دہلی برادری کی خصوصی اور غیر برادری کی عمومی خدمت انجام دینا ہے۔ اس ادارے کے ہسپتال اور اسکول اُن علاقوں میں واقع ہیں جہاں کی اکثریت غریبوں پر مشتمل ہے۔ سب سے زیادہ یہ ادارہ دہلی کالونی میں فعال ہے اور دوسرے نمبر پر اللہ والا ٹاؤن اور تیسرے نمبر پر لیاقت آباد اور قائد آباد لانڈھی میں فعال ہے جہاں اسکول اور ہسپتال واقع ہیں جن میں تقریباً مفت تعلیم اور مفت علاج معالجہ کی سہولتیں موجود ہیں۔ یہ ادارہ یہ سب خدمات سکھر، لاہور اور راولپنڈی اسلام آباد میں بھی اپنی شاخیں قائم کر کے انجام دے رہا ہے۔ ۲۰۰۰ء میں متفقہ طور پر جمعیت کا صدر چُنا گیا اور ساتھ ساتھ جمعیت ایجوکیشن بورڈ کا چیئرمین بھی بنایا گیا۔ الحمدللہ تین سال کے عرصہ صدارت میں پہلا گرلز کالج محمد اسماعیل اللہ والا دہلی کالونی میں تعمیر کیا گیا اور محمد اسماعیل نینی تال والا لڑکوں کا اسکول اللہ والا ٹاؤن میں تعمیر کیا گیا۔ چونکہ اس فلاحی ادارے میں زیادہ سے زیادہ تین سال اعزازی مدت ہوتی ہے لہٰذا تینوں سال الحمدللہ مجھے اس کی صدارت کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ایجوکیشن بورڈ کی صدارت بھی تین سال رہی اور پھر مجھے جمعیت ہیلتھ کونسل کا چیئرمین کا عہدہ دیا گیا۔ جمعیت کی صدارت سے فارغ ہوا تو مجھے دونوں اہم عہدے یعنی تعلیمی بورڈ اور ہیلتھ کونسل کا چیئرمین بیک وقت بننے کا واحد اعزاز حاصل ہوا۔ الحمدللہ ان چار سال کے دوران جمعیت کے جملہ اداروں کی کارکردگی بڑھائی۔ جو جو ادارے غیر فعال تھے میں نے اپنی ٹیم جس کے ۳۹ ممبران تھے شانہ بشانہ کام کیا۔ اس فلاحی ادارے میں بہترین تبدیلیاں جو ضروری تھیں وہ کیں جس ادارے میں جو کمی تھی اُس کو پورا کیا۔ جہاں وظائف نہیں دیئے جا رہے تھے وہاں وظائف جاری کئے۔ جہاں وظائف کم تھے وہاں ان میں اضافہ کیا۔ ویسے تو اس ادارے کے تمام ممبران نے میرے ساتھ تعاون کیا مگر خصوصی طور پر جنرل سیکریٹری احمد ضمیر دفتری صاحب کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا ایسے نوجوان کی صلاحیتوں کو گھن لگانے کے مترادف ہوگا۔ یہ میرے بنائے ہوئے پروگراموں پر سو فیصد نافذ العمل کرتے تھے۔ نائب صدر شمیم احمد پین والا صاحب (موجودہ صدر) بھی پیش پیش رہے۔ انیس الرحمان کالیا صاحب کی ہیلتھ کونسل میں اصلاحات اور مشورے قابلِ قدر رہے۔ اعجاز العارفین کی دن رات کی محنت سے پی ایچ وائی ہسپتال جو ہمیشہ خسارے میں جا رہا تھا نہ صرف انہوں نے خسارے کو ختم کیا بلکہ آمدنی کا ذریعہ بھی بنایا۔

رشید الدین راشد اگرچہ وقت کی کمی کی وجہ سے زیادہ فعال نہیں رہے مگر پھر بھی اُن کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ شمیم احمد ریپ کوم (Repcom) کی انوکھی خصوصیت سے بھی مستفیض رہا کہ دیوار کے پیچھے بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ کام کرنے کا گُر اُن ہی میں منفرد پایا۔ شمیم احمد لاہور والا، جمیل احمد کپڑے والا، خلیل الرحمان سوت والا، خلیفہ انوار احمد ٹیف والا، نواب مہر الٰہی، حاجی محمد کامل شمسی، عبدالناصر سلام، محمد عمر کپڑے والا، محمد آصف شملہ والا صاحبان کا خصوصی تعاون رہا جن کی وجہ سے متعدد اصلاحات کی گئیں، اور ہمارے اسکول اور ہسپتال بہتر خدمات انجام دے سکیں۔ خازن کی حیثیت سے ایس ایم نقی نمونے والا صاحب کی تعریف نہ کرنا بخل سے کام لینے کے مترادف ہوگا۔ انکے مفید مشورے خواہ تعلیم کے بارے میں ہوں یا ہسپتال کے بارے میں ہمیشہ واضح ہوتے تھے جن سے میں استفادہ کرتا تھا۔ نوجوان حافظ فضل ربی نے جس طرح جمعیت کا حاجی محمد یوسف صدیقی میموریل فنڈ جو روز اول سے اسکالرشپ نہیں دے سکا تھا کیونکہ اُس کے واجبات موصول نہیں ہو سکے تھے اس نوجوان نے اعجاز العارفین کے ساتھ ملکر نہ صرف کئی لاکھ روپے وصول کئے بلکہ اس ادارے کے شادی ہال کو بالکل نئے سرے سے آراستہ کیا جس سے آمدنی میں کئی گناہ اضافہ ہوا اور اسکالرشپ جاری کی گئی۔ جس سے مرحوم حاجی محمد یوسف صدیقی کی روح کو تسکین ملا ہوگا۔ پہلی مرتبہ اس ادارے نے اسکالرشپ کے لئے برادری کے نوجوانوں سے درخواستیں طلب کیں۔

شعبہ ہسپتال کے سلسلے میں 32 لاکھ روپے جو ڈیالیسیس (Dialysis) کے سلسلے میں میرے آنے سے بھی کئی سال پہلے سے حکومت پاکستان سے وصول کرنے تھے اور تقریباً سب اس کی وصولیابی سے مایوس تھے جو بہت محنت کے بعد وصول ہوئے۔

جمعیت کی سکھر شاخ کے انتخابات جو تیرہ سال سے نہیں کرائے گئے تھے الحمدللہ مرحوم مظفر حسین نیازی صاحب، انیس الرحمان کالیہ، انوار احمد ٹینٹ والا، احمد ضمیر دفتری صاحبان نے میری معاونت کی جس کی وجہ سے الحمدللہ وہاں الیکشن کرائے گئے اور اب ہر سال وہاں الیکشن کا رواج پڑ چکا ہے اور ہر سال الیکشن ہوتے رہتے ہیں۔ ہر سال تعلیمی بورڈ کی طرف سے طلباء اور طالبات اور اساتذہ حضرات میں نقد انعامات کی رسم کی ابتداء کی جو الحمدللہ چار سال سے جاری ہے۔ اسکولوں کے لئے نئے نئے تجربات کئے گئے جس سے طلباء اور اساتذہ میں ہم آہنگی پیدا ہوئی اُس کے لئے تمام ناظمین کا مشکور ہوں۔ جو دن رات ایک کر کے اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مجھے اس مدت میں کام کر کے جو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے میں نے کئے بڑی ہی روحانی تسکین کا باعث بنے اور افسوس بھی ہوا کہ اس رفاہی ادارے کی طرف پہلے کوئی توجہ نہیں دی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا کرے اور تمام اہل احباب اسی طرح خوش اسلوبی سے ادارے کو چلائیں میری

VISITOR MESSAGES

08 June 2000

Muhammad Aslam Sanjrani
Secretary to Govt. of Sindh

I had known Mr. Khalid differently – what I have seen today is something I would not have believed if I had not come. Super combination of facilities combined with human dignity. What I have seen will when completed will be some-thing out of this world – and I mean every bit of it. From the things going around all I see is QUALITY !. Just Great.

Khalid, God Bless You, Your family Ameen.

05 July 2000

Brig Javed Ahmed Beg
GHQ Rwp

A very fine outfit which is in the making of one the best academic institution in time to come. I would love that my next generation should make best use of this prime facility. I wish it all the success and an emblem of pride for the parents whose kid will benefit from it.

دہلی برادری سے بالخصوص اور غیر برادری کے مخیّر حضرات سے بالعموم اپیل ہے کہ اس ادارے سے تعاون کریں کیونکہ یہ بہت فعال ادارہ ہے جو یتیموں، بیواؤں، مستحقینِ زکوٰۃ کو بلاتخصیص امداد فراہم کرتا ہے۔ اس ادارے کے اسکولوں اور ہسپتالوں سے لاکھوں مریض فائدہ اٹھا رہے ہیں ہر سال اس کی باقاعدہ آڈٹ رپورٹ شائع ہوتی ہے اور ہر ماہ اس کے ماہنامہ سوداگر میں ایک ایک پائی کا حساس کتاب شائع کیا جاتا ہے۔ اس ادارے سے وابستہ بیشتر حضرات انتہائی دیانت داری سے کام کر رہے ہیں اُن کا ہاتھ بٹانا کارِ ثواب ہے۔ جو بیک وقت 20 رفاہی اداروں پر مشتمل ہے۔ میرے خیال میں عبدالستار ایدھی کے بعد یہ سب سے بڑا رفاہی ادارہ ہے جو دہلی برادری گذشتہ 57 سال سے چلا رہی ہے تمام برادری کے افراد بلا معاوضہ دن رات اس کو بڑھانے کے لئے اپنی اپنی خدمات پیش کرتے ہیں جن میں ہسپتال، اسکول، قبرستان اور قبرستان سروس کمیونٹی سینٹر شامل ہیں جنہیں میری شمولیت سے پہلے بھی برادری کے بہت سے افراد جو اب حیات نہیں ہیں یا پھر بزرگی کی وجہ سے اب نہیں آتے میں ان کو ضرور خراج تحسین پیش کرتا ہوں جن کی وجہ سے آج یہ منفرد ادارہ ترقی کر رہا ہے۔ آخر میں اگر میں اعزازی ناظم اور محمد اقبال راجہ ناظم شمیم احمد ریپکوم (Repcom) کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی دن رات کی محنت جو مرحوم سلطان رفیع صاحب کے انتقال کی وجہ سے متاثر ہو سکتی تھی لیکن اسکے باوجود انکی انتھک محنتوں کی وجہ سے الحمدللہ یہ ادارہ چار چاند لگا رہی ہے۔ انشاءاللہ جب تک زندگی باقی رہی اور صحت نے اجازت دی تو اس ادارے سے ہمیشہ منسلک رہوں گا اور حتی الامکان اس ادارے کو تقویت دینے اور اسکی خدمات کے لئے ہمیشہ کوشاں رہوں گا۔ اللہ میرے اس عمل اور حوصلے کو قبول فرمائے اور میرے اس فلاحی کاموں میں میری بھرپور مدد فرمائے۔ (آمین)

05 October 2000

Maj Gen Ghazanfar Ali
DGS&T, GHQ, Rawalpindi

I am pleased to see this excellent seat of learning. It has great potential. My best wishes for all their undertakings.

Maj Gen.

09 October 2000

Air Cdre (Retd.) Khalid Iqbal
Manager AKU, Sport & Rehal Centre

I am really impressed with the KN Academy specially the way it has been planned. The buildings, the hostel and the sports facilities are superb. I can see a very bright future for this Establishment.

Air Cdre PAF

19 July 2000

Capt (r) Abid Hussain
DC Malir

An extremely impressive project. One is really moved by the spirit and commitment of the executors of this splendid project. This great institution would contribute tremendously in providing excellent quality of education to our younger generation. No service can be more noble than this project. I wish good-speed to all those persons who are involved in the planning and execution of this project.

19/7/2000

18 November 2000

Abu Shamim m. Arif
Secretary Information Technology
and Tele Communication Minister,
Govt. of Pakistan

The sight of KN Academy at Malir Cantt - like a breath of fresh air. I would not have believed it if I had not visited it and seen it personally. The lay out and structures not only evince an academic atmosphere of the traditional kind but also give a look of permanence — an architectural achivement in its own right. The Academy has great future and will fill the void in the educational sector. I would only suggest that the Information Technology block should be made a strong one right from now.

I wish The Academy all

02 November 2000

Maj Gen Syed Ehtasham Zamir
GOC Caps Res Malir Cantt

I am impressed by the premises and the quality of education. I wish KN Academy a prosperous future.

God be with you

with best wishes

Zamir
Maj Gen

13 January 2001

Mehtabuddin Ferz
Businessman

I am really shocked & then very pleased at what Dr. Khalil has done at this remote place. KN University as it is called should really go a long way in producing learned & capable people to run our Country in a real good way. May God bless Dr. Khalil in this great effort. Ameen.

Mehtabuddin.

20 January 2001

M. Kan Sumals
Businessman

I am very impressed with KN Academy — architecture, facilities, location, and quality of staff. I believe that Khalil's vision will be realized in all respects.

KN Academy should be an example of the quality of education institution that can be achieved. I believe that KN Academy will have far-reaching positive impact on education in Pakistan!

M. Kan Sumals

23 April 2001

Dr. Zubair Mirza
OT Hospitel

An American institution in a rural setting would not look any better. Khalil Namtalwala has done an amazing Thing. Every room & corner is like a 5 star hotel. No compromise on quality Khalil namtalwala tells me. This institution will go a very long way. I hope turns into a university soon. I hope the quality of education will match the setting. Khalil assures me it will.

Well done Khalil May God bless you to do a lot more

14 March 2001

Dr. Abdul Wahab
Vice Chancellor

It was a rich experience to visit K.N. Academy. The physical facilities are excellent The location is ideal. The teachers and the staff are committed to their jobs. Words cannot describe the good work being done at K.N Academy. One has to see it. Seeing is believing.

The credit goes to Mr. Khalil Namtalwala for establishing the K.N Academy. I wish success to the great project

Abdul Wahab
Ex- Vice Chancellor
University of Karachi

19 May 2001

Lt Gen (r) Moin Uddin Haider
Minister of Interior

I am very pleased to see an excellant liberary befitting the high standars of K&N school.

Moin u. Haider

25 April 2001

Dr. David Back
Victoria University
Melbourne Australia

A wonderful organization. One of the best schools I have ever seen. I hope VU & your school can work together

27 April 2001

Hakim S.M. Iqbal

الحمدللہ امین کے اکیڈمی دیکھ کر پاکستان ایسا زندہ با ترقی ملک بالکل
نظر آتا۔ جن حضرات نے یورپی جامعات دیکھی ہیں وہ مشکل سے
اس درسگاہ جیسی خوبصورت آراستہ اور وسیع درسگاہ یورپ
میں خیال دل میں لا سکیں گے۔ کاش پورے پاکستان کے رہنے والے اس
درسگاہ سے واقف ہوں اور اس سے مستفید ہوں۔ بے شک یہ
تمام عملہ اور مشیران عزیز اصحاب کے لیے ایک قابل رشک
مقام ہے۔ ہمارے محب وطن اصحاب اقتدار اور قومی رہنماؤں
کو ایسے بے نظیر اداروں کی حوصلہ افزائی ضرور کرنی چاہیے

دعا گو حکیم

اقبال

01 September 2001 **A.Kalimuddin**

I was very pleased and honored to visit this Institution which is based on the philosophy of our Prophet Rasullah S.A. and his mission of Islam.

[signature]

01 October 2001 **Hasan Ali Chaniho**
Minister for Agriculture ----
of Sindh

I was pleased to visit KN Academy where I found that it is not only a religious institution but equally excellent standard of education is also being maintained. I wish all the success for this good inspiring education institution.

[signature]

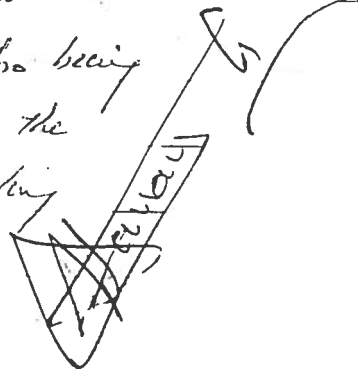

26 May 2001 **Dr. A.Q. Khan**
NI & Bar. HI

Extremely pleased to see this excellent campus. I wish I were a student. Hats off to Mr. Khalil Nainitalwala for his vision to produce this exemplary facility. It is better than most of such campuses in Europe & America. May Allah bless you all. Ameen.

[signature]

(Dr. A. Q. Khan)

08 Febuary 2002

Mrs. Edmima Suliman
HM Toddlers Academy (APS)

I am really impressed to see this institution, I wish Pakistan had more schools like KN academy.

Every Thing in the school is beautiful, clean and well maintained.

I wish This school to prosper more and earn good name not only in Karachi but in other parts also.

08 April 2003

Riaz Fatyana

I visited so many colleges and Schools as education minister Pb. But this is the excellent campus. I congratulate Mr. Khalil Nanital, who established this.

8/4/03

19 January 2002

Ronoq Raza Naqvi
Pe an Faculty of Sc

Good work.

Javed Miandad

I am very please to see the Academy its wonderful and best in Asia. and I hope this academy will produse one of the best studens in Pakistan. I wishes them good luck.

With Regards

08 April 2003 **PARLIAMENTARRAN'S COMMISSION FOR HUMAN RIGHTS**

Members National Assembly

1.Kashmala Tariq
2.Dr. CG Javed
3.Fiza Wahab
4.Riffat J. Kahton

Our commission got the opportunity to visit K.N Academy i.e a delegation of 7 parliamentarians. I must say an excellent effort made, planning construction & maintenance all well taken care of & very impressive. We all congratulate Mr. Khalil Nanital & his team for achieving this goal. Hope the standard is maintained in future.

An Excellent Job

R Kahton